راجپوت

(تاریخ کے آئینے میں)

غلام اکبر ملک

H-278
9129

20 JUN 2007
ALLAMA IQBAL LIBRARY
FAISALABAD

ALLAMA IQBAL L
FAISALABAD
Acc. No.
Class No.

زیر نظر کتاب میں غلام اکبر ملک نے "راجپوت قوم" کی اصل پر بڑی دلچسپ اور قابل قدر بحث کی ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے لفظ راجپوت کے ماخذ و معانی لسانی حوالوں کی مدد سے واضح کئے ہیں پھر انہوں نے راجپوت قوم کی ابتدائی تشکیل، ان کے معاشرتی حالات اور معاشرے میں ان کی ابتدائی طبقی حیثیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ فاضل مصنف نے راجپوتوں کی نسلی حیثیت کو واضح کرنے میں بڑی دقت نظر اور گہرے تحقیقی شعور سے کام لیا ہے۔ انہوں نے "راجپوت قوم" کو نسل کے اعتبار سے تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور بڑی شرح و بسط کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہمارے موجودہ پنجاب میں راجپوتوں کے جس نسلی گروہ کے باقیات راجپوت قوم کی ذیلی شاخوں کی صورت میں آباد ہیں ان کا تعلق اگنی کل راجپوتوں سے ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اگنی کل راجپوتوں کا تعلق قدیم سیتھین اقوام کے اس نسلی گروہ سے ہے جسے قدیم ہندوستان کے اساطیر میں پانڈو کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ پانڈوؤں کی عظیم لڑائی "مہا بھارت" قدیم آریائی کھتری قبیلے کورو سے ہوئی تھی جس میں پانڈوؤں کو فتح نصیب ہوئی تھی۔

فاضل مصنف نے دلائل و براہین کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ کورو اور پانڈو، نسل کے اعتبار سے دو مختلف اقوام کے باشندے تھے۔ کورو قدیم آریائی نسل سے تعلق رکھتے تھے جبکہ پانڈو تورانی الاصل منگول اقوام کے ابناء و اخلاف تھے جنہیں مذہبی اعتبار سے کھتری طبقہ میں شامل کر لیا گیا تھا۔ راجپوتوں کی زیادہ معروف شاخوں کا تعلق اسی موخر الذکر نسلی گروہ سے ہے۔

زیر نظر کتاب اس حوالے سے بجا طور پر راجپوت قوم کے متعلق جدید تحقیق کی آئینہ دار ہے کہ اس میں فاضل مصنف نے بعض جدید نظریات کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے راجپوتوں کی ذیلی شاخوں کی تاریخ بھی بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ رقم کی ہے۔ اس طرح یہ کتاب ہمیں راجپوتوں کی مکمل و مربوط تاریخ فراہم کرتی ہے۔

حبیب اللہ صدیقی
سینئر نائب صدر بزم عرفان ادب

جملہ حقوق بحق ادارہ "العقاب پبلی کیشنز" محفوظ ہیں

Allama Iqbal Library
Faisalabad

نام کتاب : راجپوت (تاریخ کے آئینے میں)

مصنف : غلام اکبر ملک

بار اول : نومبر ۱۹۹۶ء

تعداد : پانچ سو

ناشر : رضوانہ ملک

طابع : العقاب پبلی کیشنز جلیل سنٹر ۲۳۱ سرکلر روڈ
نزد چوک اردو بازار لاہور۔

سرورق : صبغۃ اللہ صدیقی

مطبع : تنویر احمد پرنٹرز — لاہور۔

قیمت : ۱۵۰/- روپے (ایک سو پچاس روپے)

انتساب !

اس غیرت کے نام
جو اللہ تعالیٰ نے راجپوتوں کی
سرشت میں رکھی ہے،
اس امید کے ساتھ کہ اب
ملت اسلامیہ کے حق میں استعمال ہوگی۔

بسلسلہ تاریخ اقوام و قبائل پاکستان کتاب نمبر ۴

راجپوت

(تاریخ کے آئینے میں)

20 JUN 2007

ALLAMA IQBAL LIBRARY
FAISALABAD

از

غلام اکبر ملک

العقاب پبلی کیشنز جلیل سنٹر ۲۳۱- سرکلر روڈ نزد چوک اردو بازار لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب راجپوت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پاکستان میں آباد قوموں اور قبیلوں کی تاریخ لکھنے کا جو بیڑہ میں نے اٹھایا ہے یہ اس سلسلے کی تیسری کوشش ہے۔ اس سے پہلے جاٹوں کے علاوہ بھٹی اور بٹ قبائل کی تواریخ کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔

بنیادی طور پر یہ تاریخ ان راجپوتوں کی ہے جو خصوصاً پنجاب میں آباد ہیں۔ پنجاب کا خطہ زمانہ قدیم سے ہی ہند پر حملہ آور ہونے والی قوموں کی گزرگاہ رہا ہے' لہٰذا اس خطہ میں بسنے والی قومیں اور قبیلے اپنے سروں پر کفن باندھ کر جیتے تھے۔ انہیں ہر لحہ اور ہر آن مغربی دروں سے وارد ہونے والے حملہ آوروں کے ہاتھوں تاراج ہونے کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں بسنے والی قومیں بلا کی بہادر تھیں۔ مرنا اور مارنا گویا ان کا روز کا معمول تھا۔ اور پھر خصوصاً راجپوتوں کا تو مذہبی فریضہ ہی یہی تھا کہ وہ ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہیں اور جس وقت بھی مادر وطن کو ان کے خون کی ضرورت پڑے' بلا چون و چرا پیش کر دیں۔ راجپوت تو گویا پیدا ہی مرنے اور مارنے کے لئے ہوتا تھا۔ جانبازی کی جو مثالیں راجپوتوں نے تاریخ کے اوراق میں چھوڑی ہیں' کسی دوسری قوم کی تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ شکست کی صورت میں بھی دشمن کے ہاتھوں قید ہونے پر یہ لوگ موت کو ترجیح دیتے تھے۔ متوقع شکست

کے پیش نظر میدان حرب و ضرب میں نقد جان کا نذرانہ پیش کرنے سے قبل یہ لوگ اپنی آل اولاد اور مال و زر تک کو تلف کردیتے تھے۔ اور ــــــــ فتح کی صورت میں دشمن کو ماسوائے ان کی راکھ اور خاک و خون میں غلطاں لاشوں کے کچھ ہاتھ نہیں آتا تھا۔

یہ کتاب اسی راجپوت قوم کی جراءت و عزیمت کی داستان ہے۔

میں اس کتاب کی تیاری میں گرانقدر معاونت پر جناب حبیب اللہ صدیقی مدیر ہفت روزہ العقاب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

۲۹ نومبر ۱۹۹۵

غلام اکبر ملک

۱۷۵۔ اے فیصل ٹاؤن لاہور

لفظ "راجپوت" کا ماخذ و مفہوم

لفظ "راجپوت" دو الفاظ یعنی "راج" اور "پوت" کا مرکب ہے۔ "پوت" کا مطلب ظاہر ہے بیٹا ہے جبکہ "راج" سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی چمکیلی یا چمکنے والی چیز کے ہیں۔ تاریخ ہند میں سب سے پہلے عوام نے یہ لقب آریائی کھشتریوں کو دیا۔ کھشتریوں کا پیشہ فوجی تھا اور اپنی علاقائی سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ دیگر قوموں پر حملہ کرنا' لوٹ مار کرنا اور حکمرانی کرنا انہیں کے فرائض میں شامل تھا۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق قدیم کھشتری جب دیگر ہم عصر اقوام پر حملے کرتے اور بے تحاشہ مال غنیمت لوٹ کر لاتے تو وہ لوگ فخر و مباہات کے اظہار کے لئے خوبصورت و چمکیلے لباس پہنتے تھے' اور مرصع ہتھیار زیب تن کرلیتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر لوگوں نے انہیں "راجہ" یا راج کا خطاب دیا۔ جس کا مطلب تھا چمکنے والے انسان۔ چنانچہ بعد میں انہیں راجاؤں کی اولادیں راجپوت کہلائیں جس کا مطلب لامحالہ یہی ہوا کہ چمکنے والے انسانوں کے بیٹے۔ بعد کے دور میں یہی لفظ راجہ' حکمران کے معنوں میں مستعمل ہوا۔ آج بھی لفظ "راج" ہندی میں بعض اوقات چمکنے والا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً عمارات کو چمکانے یا ان کی تزئین و آرائش کرنے والے ماہر تعمیرات (میسن) کو ہم آج بھی "راج" انہیں معنوں میں کہتے ہیں۔ ہندی میں "راجت" کا مطلب زینت دیا ہوا یا مزین ہے۔ 1

"راج" کو انگریزی میں رے (RAY) جبکہ لاطینی زبان میں ریکس (REX) کہتے ہیں۔ اردو زبان میں ہم اسے "روشنی" کہتے ہیں۔ یہ تمام ایک ہی قبیل کے الفاظ ہیں' جن کی اصل "راج" ہے۔ راج سے راجہ یا راجا دراصل ہمارا مقامی تلفظ ہے۔ پاک و ہند کی مقامی زبانوں میں عموماً ہر لفظ کے آخری حرف کے آگے آدھا "الف" یا آخری حرف پر زبر لگانے کا رواج عام ہے۔

قدیم ترین راجپوت

قدیم ترین راجپوت آریائی کھشتری تھے

پہلے پہل جب آریاؤں نے پنجاب پر تسلط قائم کیا تو وہ لوگ مختلف چھوٹے چھوٹے خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر خاندان کا ایک عمر رسیدہ بزرگ اس کا راہنما سمجھا جاتا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر خاندان کے ایک بزرگ راہنما کو اس خاندان کے اندر راجہ کا درجہ حاصل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر خاندان میں ایک پروہت یا مذہبی پیشوا بھی ہوتا تھا۔ جہاں راجہ کا کام تلوار کے ذریعے قبیلے کی حفاظت کرنا ہوتا تھا وہاں پروہت کا کام دعاؤں اور مناجات کے ذریعے دیوتاؤں کو خوش کرنا اور تمام خاندان کی مذہبی رسوم کی ادائیگی میں ان کی راہنمائی کرنا ہوتا تھا۔

ابتدا میں جب یہ لوگ پنجاب میں آباد ہوئے تو انہوں نے کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں کی بلکہ ہر خاندان کی گویا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ تھی۔ ان آریائی خاندانوں نے جو پہلے پہل یہاں بستیاں آباد کی تھیں وہ اپنی [illegible] کرتی تھیں۔ ہر بستی گویا الگ چھوٹی سی راجدھانی کا درجہ رکھتی تھی [illegible] تسلط سے آزاد و خود مختار تھی۔ اس دور کے آریائی خاندان [illegible] یعنی کھانے پینے کا سامان' لباس اور دیگر اشیائے صرف جانوروں [illegible] کرلیتے تھے۔ اس زمانے میں جانوروں کی تعداد ہی دولت کا معیار [illegible] خاندان کے پاس جتنے زیادہ مویشی ہوتے تھے وہ اتنا ہی امیر سمجھا جاتا [illegible] خاندان میں ہر قسم کے دستکار مثلاً موچی' لوہار' سنار' درزی' [illegible] جو قبیلے کے کام سرانجام دیتے تھے اور اس ابتدائی دور میں [illegible] بڑا اہم مقام حاصل تھا۔ آج کی طرح کمین نہیں کہلاتے تھے۔ [illegible] خطہ زمین پر آبادی کا تناسب بے حد کم تھا اور خدا کی زمین [illegible] جنگلات' زرعی زمینیں' شکار گاہیں اور چراگاہیں [illegible] آریائی خاندانوں کی [illegible] کافی تھیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ بے شمار خاندانوں میں [illegible] قبائل کی آبادی بڑھنا شروع ہوگئی۔ جو چھوٹے چھوٹے قصبے [illegible] شہروں میں تبدیل ہونے لگے اور چھوٹے چھوٹے خاندان قبیلوں کی صورت [illegible]

آریہ ـــ ذات پات کا نظام

آریاؤں کا ذات پات کا نظام

کئی ماہرین کا خیال ہے کہ آریاؤں کو ہند پر قبضہ کرلینے کے بعد ذات پات کا نظام قائم کرنے کا خیال اس وجہ سے آیا کہ کہیں وہ یہاں کے قدیم ہندی الاصل سیاہ فاموں میں مخلوط نہ ہوجائیں۔ چنانچہ اپنی سفید فام نسل کو سیاہ فام نسل کے اختلاط سے بچانے کے لئے انہوں نے ذاتوں کی تقسیم کی اور یہ نظام وضع کیا۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ محض ایک مفروضہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذات پات کا نظام دنیا کی تقریباً تمام قوموں میں مروج رہا ہے۔ یہ الگ بات کہ کسی قوم میں ذات پات کو صرف شناخت اور الگ تشخص کا ذریعہ سمجھا گیا اور کسی قوم میں اسے باہمی تفاخر کا ذریعہ گردانا گیا۔ خصوصاً آریاؤں کا ذات پات کا نظام اس وجہ سے زیادہ مشہور ہوا کہ اسے مذہبی تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ ذات پات کا نظام [illegible] یونان و روم میں بھی مروج رہا ہے۔ ایران میں بھی اس نظام کے [illegible] ہمارے نزدیک ذات پات کا نظام ان تمام تر آریائی قبائل میں [illegible] نظام حیات کے برعکس پدری نظام حیات رائج تھا اور اولاد [illegible] سے پہچانی جاتی تھی۔ ہمارے خیال میں آریہ قوم نے ذات پات [illegible] اپنے آپ کو قدیم سیاہ فام ہندی لوگوں سے مخلوط ہونے سے بچانے [illegible] کیا تھا بلکہ وہ یہ نظام ایران سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ [illegible] پہلے بھی ان میں اس قسم کا نظام رائج تھا۔ وسطی ایران میں یہ صرف [illegible] ایک بادشاہ نے یہ نظام ان میں رائج کیا تھا۔ اس روایت کو سید محمد [illegible] کے حوالے سے مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"ایران میں کیومرث کی حکمرانی سے [illegible] ہوگئی تھی۔ مہابت یا مہابی (شاہی) خاندان [illegible] بادشاہت کو معراج پر پہنچا دیا تھا۔ ایرانی جو [illegible] دعویٰ کرتے ہیں اور اسے زرتشت سے ممیز کرتے ہیں [illegible] ثابت کرتے ہیں کہ ایران اور پوری دنیا کا پہلا حکمران [illegible]

سنسکرت لفظ) تھا۔ اور اس نے لوگوں کو چار ترتیبوں میں منقسم کیا تھا جو یوں تھیں 2۔

(۱) مذہبی (۲) عسکری

(۳) تجارتی (۴) غلامی یا چاکری

سید محمد لطیف کے مطابق سر ولیم جونز اپنے اس یقین کامل کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ کیومرث کی حکومت سے قبل جسے پارسی پہلا انسان خیال کرتے ہیں، ایران میں برہمنوں (ہندی آریائی برہمن) کا مذہب پھیل چکا تھا۔ ہندی آریائی قوم کی اصل ایران سے بلاشبہ ہوسکتی ہے۔ اس بات کی شہادت قدیم پارسیوں کے ان ناموں سے بھی ملتی ہے جو سنسکرت زبان میں ہیں۔ فارسی کی مشہور قدیم مذہبی کتاب اوستا اور آریاؤں کی زبان سنسکرت میں بھی بے حد گہری مماثلت پائی جاتی ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ آریاؤں کا تعلق نہ صرف سرزمین ایران سے رہا ہے بلکہ وہ ہند پر حملہ سے قبل کئی صدیوں تک وہاں آباد رہے ہیں۔ اس ضمن میں تاریخ تمدن ہند کے مصنف محمد طیب لکھتے ہیں کہ!

> ”قدیم ایرانیوں اور ہندوستانی آریاؤں کا نسبی اور مذہبی تعلق ثابت ہے اور اس کے علاوہ ہندوستان کی ایران سے تجارت بھی ہوا کرتی تھی۔ ہمیں چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایرانی اثرات تلاش کرنے کی بجائے اس بڑی بات کو پوری اہمیت دینا چاہئے کہ ہخامنشیوں نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی اور اس کی شہرت ہندوستان میں ضرور ہوئی ہوگی۔ ڈاکٹر سپونر کی رائے میں مہابھارت اور دانوون کے عالی شان محلوں اور ان کے دیس کی طلسماتی [illegible] کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ایران اور ایرانی شہنشاہ کے محلوں کا عکس ہے“ 3 ۔

اس ضمن میں ایک اثری شہادت بھی ملتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایران میں تخت جمشید کے کھنڈرات سے دریافت شدہ عبارت اور رسم الخط قدیم ہندوستانی مخطوطوں اور

خصوصاً فیروز شاہ کی (دہلی کی لاٹھ والی) عبارت سے مماثلت رکھتے ہیں۔

چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ آریا ہند میں وارد ہونے سے قبل ذات پات کا نظام ایران سے اپنے ساتھ لائے ہوں۔ بہرکیف ہندوستان میں آریاؤں نے حسب ذیل نظام متعارف کرایا۔ اور لوگوں کو ان چار ذاتوں میں تقسیم کیا۔

ا۔ برہمن (مذہبی گروپ)

آریاؤں کے عقیدے کے مطابق برہمن کو پرش یا خدا نے اپنے منہ سے پیدا کیا۔ پرش یا خدا کے منہ سے پیدا ہونے کا مطلب صاف واضح ہے کہ برہمن لوگ گویا خدا کی زبان ہیں۔ اور اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ باقی تمام انسانوں کے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں برہمن خود نہیں بولتا بلکہ اس کی زبان سے خدا [illegible] انسانوں سے [illegible] ہوتا ہے۔ اس مذہبی فلسفے سے [illegible] برہمن کے لئے ویدوں کی تعلیم کو بنیادی قرار دیا گیا [illegible] دوسری تمام ذاتوں پر [illegible] تقدس حاصل تھا۔ یہ لوگ گویا انسان نہ تھے بلکہ دیوتا [illegible]

(ا) برہمن کی پیدائش گویا شاستر کا [illegible] شاستر کی حفاظت کرنا اور (دنیا میں) [illegible]

(ب) برہمن، رہنا کی نشانی ہے۔ جب [illegible] ہوتا ہے تو وہ دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق ہوتا ہے۔

(ج) برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ اپنے [illegible] مال پر زبردستی قابض ہوسکتا ہے اور یہ [illegible] نہیں ہے۔

(د) جس برہمن کو وید یاد ہو وہ [illegible] اگرچہ وہ تینوں جہانوں کا ستیاناس کردے۔

(ہ) بادشاہ کو کیسی سخت ضرورت درپیش کیوں نہ ہو [illegible] وہ مرتا بھی ہو، اسے برہمنوں سے محصول نہیں [illegible] اور نہ ہی اپنے ملک کے کسی برہمن کو بھوک سے مر[illegible] دینا چاہئے۔

گویا ہم باپ اور بیٹے کا رشتہ رکھتے ہیں لیکن ان میں سے باپ برہمن ہے"۔

مذہبی اعتبار سے چھتری (کھتری) کی مندرجہ ذیل ذمہ داریاں بتائی گئی ہیں:۔ 9

نمبر۱ حکومت و بادشاہی کے انتظام کے ذریعے اور ہتھیاروں کی تربیت حاصل کرکے مخلوق خدا کی حفاظت کرے۔

نمبر۲ خدا کی راہ میں قربانیاں دے۔

نمبر۳ خدا کی راہ میں چڑھاوے چڑھائے۔

نمبر۴ ویدوں کا علم حاصل کرے۔

نمبر۵ شہوات نفسانی (گناہوں) سے دور رہے۔

ہندو دھرم کی رو سے چھتری کو خدا نے اپنے بازو سے پیدا کیا چنانچہ چھتریوں کو فوجی مشاغل کے علاوہ کسی دوسرے پیشہ کو اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہ تھی۔ امن کے زمانہ میں بھی ان کے لئے حکم تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہر وقت جنگ کے لئے تیار رکھیں۔ اور ضرورت پڑتے ہی دشمن پر چڑھ دوڑیں۔ رعایا کی حفاظت کرنا ان کے فرائض اولین میں شامل تھا۔ ان کے زیر سایہ تیسری ذات یعنی ویش سے تعلق رکھنے والے لوگ بلا خوف و خطر زراعت و کاشتکاری کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس عسکری تربیت چھتریوں کا خالصتاً مذہبی فریضہ تھا۔ علاوہ ازیں راج پاٹ بھی اسی طبقہ کی ذمہ داری تھی۔ رعایا کو اپنے مذہبی قانون کے مطابق انصاف مہیا کرنا' اسے ان کے تمام حقوق دینا اور ذات کے مطابق ان سے فرائض ادا کروانا بھی انہی کی ذمہ داری تھی۔ منو شاستر میں بادشاہ یا راجہ کو بھی تقریباً خدا ہی کا درجہ دیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ:۔ 10

"بادشاہ اگر طفل نابالغ بھی ہو تو اسے یہ خیال کرکے کہ یہ بھی ایک انسان ہے' حقارت سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ بادشاہ واقعی انسان کی شکل میں خدا ہے۔"

البیرونی نے کتاب الہند میں سرخ رنگ کو کھتریوں کا نشان بتایا ہے 11 ۔ جو

جنگ اور خطرے کی علامت کے طور پر آج کل بھی مستعمل ہے۔ تقریباً دنیا کی تمام قوموں میں سرخ رنگ کو خطرے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

عسکری پیشہ اور جنگی تربیت نے آریاؤں کے اس گروہ یعنی چھتریوں کو بڑا بہادر بنا دیا تھا۔ اپنی رعایا کی حفاظت' ملکی سرحدوں کی نگرانی اور دشمن کو شکست و تاراج کرنے کے لئے اپنی جان پر کھیل جانا ان کا معمول تھا اور اس ضمن میں زندگی یا موت ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔

کھتری ابتداء میں صرف آریہ قوم کے لوگ تھے۔ کسی اور قوم کو اس ذات میں قطعاً شامل نہیں کیا گیا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابتداء میں برہمن اور کھتری دونوں ذاتوں میں خالصتاً آریائی نسل کے لوگ شامل ہوا کرتے تھے تاہم بعد میں [illegible] کھتری ذات میں دیگر اقوام کے لوگ بھی شامل ہوتے گئے۔ اس موضوع پر ہم آئندہ [illegible] باب میں مفصل بحث کریں گے۔

آریائی چھتری بالسوائے سپہ گری کے کسی اور پیشہ کو اپنی توہین سمجھتے تھے۔ [illegible]

میگستھنیز پاٹلی پتر کے میدان جنگ کی تفصیلات بتاتے ہوئے آریائی کھتریوں پر مشتمل فوج کا حال قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔ 12

"اس فوجی پڑاؤ میں چار لاکھ کے لگ بھگ (کھتری) سپاہی تھے جو اپنا سارا وقت جنگی تعلیم حاصل کرنے' جوا کھیلنے' سونے اور شراب پینے میں صرف کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً (کھتری) بادشاہ بھی ان کا جائزہ لیتا تھا"۔

میگستھنیز آریائی کھتریوں کی دیانت داری اور حسن انتظام کی مزید [illegible] کرتا ہے:۔ 13

"ان چار لاکھ سپاہیوں میں سے [illegible] کبھی کسی نے شکایت نہیں کی کہ کسی دوسرے نے اس کی کوئی چیز لی ہو"

بلی پر ان کی معیشت کا دارومدار تھا۔ تورانی الاصل زرد
فام لوگ فن زراعت میں ماہر تھے اور زراعت کو بہت
زیادہ ترقی دے چکے تھے چنانچہ جب آریاؤں نے
ہندوستان کے انسانوں کو چار گروہوں یا ذاتوں میں تقسیم
کیا تو اس زرد فام، زراعت میں ماہر قوم کو زمرہ ویشاں
میں شامل کیا ہماری موجودہ جاٹ برادری میں سے کئی
قبائل انہی لوگوں کے باقیات ہیں۔

البیرونی نے کتاب الہند میں بیش یا ویش ذات کا رنگ زرد لکھا ہے 15۔ یعنی اس ذات کا امتیازی نشان زرد رنگ تھا جو ظاہر ہے ان کے زرد فام تورانی الاصل یا منگول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہندو مذہب میں ویش ذات کے مشاغل معتدل درجہ کے تھے۔ تاہم شودروں کی طرح یہ لوگ غلام ہرگز نہیں تھے۔ ان کا اپنا گھربار ہوا کرتا تھا اور انکے اپنے خاندانوں کے سردار بھی ہوتے تھے۔ حقوق ملکیت بھی انہیں حاصل تھے۔

شودر

آریائی برہمنی مذہب کی رو سے شودر کو پرش کے پاؤں سے پیدا کیا گیا۔ اسی وجہ سے شودر ذات کے لوگوں کو بے حد ذلیل سمجھا جاتا تھا اور ان کا پیشہ محض غلامی و مزدوری تھا۔ اس ذات کو ہندو مذہب میں انسانیت کا درجہ ہرگز حاصل نہ تھا اور یہ قوم تمام تر انسانی حقوق سے محروم تھی۔ ان کی ذلت و پستی کے احکامات منو نے مندرجہ ذیل پیرائے میں وضع کیے ہیں 16۔

نمبر۱ شودر کا اعلیٰ ترین فرض ہے کہ وہ مقدس برہمنوں کی خدمت کرے اور یہی اس کی گویا تجارت ہے۔

نمبر۲ برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لئے نہایت قابل تعریف ہے اور اس سے زیادہ اسے کسی اور کام میں اجر نہیں مل سکتا۔

نمبر۳ شودر کو اگر موقع مل بھی جائے تو اسے روا نہیں

ہے کہ وہ مال و دولت جمع کرے، کیونکہ شودر دولت جمع کرکے برہمنوں کو دکھ دیتا ہے۔

نمبر۴ اگر شودر کسی دوسری قوم کے فرد پر ہاتھ یا لکڑی (ڈنڈا) اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے اور اگر غصے میں کسی کو لات مارے اس کا پیر کاٹ ڈالا جائے۔

نمبر۵ اگر شودر کسی دوسری (برتر) قوم کے آدمی کے ساتھ برابر ایک ہی جگہ بیٹھتا ہے تو بادشاہ کو چاہئے کہ اس کے سرین کو داغوا دے اور ملک بدر کردے یا اس کے سرین کو زخمی کرادے۔

نمبر۶ اگر شودر کسی دوسری ذات کا نام بے حرمتی سے لے تو ایک لوہے کی کیل دس انگل لمبی آگ میں سرخ کرکے اس کے منہ میں ڈالی جائے گی۔

شودر کے متعلق منوشاستر کے اس قسم کے وحشیانہ قوانین پڑھ کر روح انسانیت کانپ اٹھتی ہے۔ یہ لوگ صدیوں تک آریاؤں کی مشق ستم کا تختہ بنے رہے ہیں۔ اور غلامی کی حالت میں ان کی سینکڑوں نسلیں مرکھپ گئیں۔

البیرونی نے شودر ذات کا امتیازی نشان سیاہ رنگ بتایا ہے 17 جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان کے قدیم ترین سیاہ فام رہائشی تھے جنہیں آریاؤں نے مفتوح کرنے کے بعد کبھی بھی انسان تسلیم نہیں کیا تھا۔ [illegible] سمجھے جاتے تھے۔ نہ ان کی اپنی ذاتی ملکیت ہوتی تھی، نہ [illegible] [illegible] نہیں رہ سکتے تھے اور نہ ہی [illegible] برہمنوں اور ویشوں کی مزدوری [illegible] اور تابعداری کے علاوہ کوئی اور کام کرسکتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے جھونپڑے بھی [illegible] باہر ہوا کرتے تھے۔

لفظ "آریہ" کے معانی و مفہوم

[illegible]

[illegible]

[illegible] بتا" ہے اور یہ نام اس قوم نے اس وقت اختیار کیا جب ہند میں وارد ہونے کے بعد انہوں نے پیشہ کاشتکاری کو

ہندوستان پہنچے دانیال سے گزر کر ایشیائے کوچک اور شمالی ایران سے ہوتے ہوئے آئے اور ہندوستان کے شمال میں [illegible] صدی قبل مسیح تک جگ جگ آباد ہوئے 27 ۔

نمبر۲ ایک خیال اس سے ملتا جلتا یہ ہے کہ آریاؤں کا اصل وطن ترکستان میں دریائے جیحوں کے قریب تھا۔ ان کی دو بڑی قسمیں تھیں ان میں سے ایک تو یورپ میں جا بسی اور دوسری ایران کی طرف آئی۔ ایران' بلخ اور مغدانیہ وغیرہ میں مدت تک آباد رہنے کے بعد یہ اقوام جنوب کی طرف مڑیں اور کوہ ہندوکش کو پار کرکے ہندوستان میں وارد ہوگئیں۔ اس لحاظ سے گویا یورپی اور ہند آریائی دونوں ایشیائی ہیں اور ایک ہی نسلی ریلے سے تعلق رکھتے ہیں 28 ۔ یہ مفروضہ یورپی اور ہندی زبانوں کی حیرت انگیز مماثلت کے سبب قائم کیا گیا ہے۔

نمبر۳ ایک خیال یہ ہے کہ آریہ قوم شمال مغرب میں ہندوکش کے پہاڑوں میں (جنہیں کاکیشیا کا نام دیا جاتا ہے) مقیم تھی۔ اس نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف ہجرت کی اور ہمالیائی دروں کے ذریعے پنجاب میں داخل ہوئی 29 ۔

نمبر۴ ایک خیال یہ ہے کہ آریہ کیسپین (CASPIAN) کے کنارے آباد تھے۔ اور نامعلوم زمانوں میں یورپ و ہند کی [illegible]

نمبر۵ ایک کمزور سا نظریہ یہ بھی ہے کہ آریا دراصل زمانہ قدیم میں کم و بیش ہزار سال قبل مسیح میں جیحوں سے لے کر بلکاخ کی جھیل کے بیچوں بیچ آباد تھے۔ یہ علاقہ بلاشبہ زرد فام منگولوں کا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نظریہ

کے حامی آریاؤں کو منگول بتاتے ہیں 31 ۔

نمبر۶ ایک خیال یہ ہے کہ آریاؤں کا وطن دریائے وولگا اور سردریا کا درمیانی کیا ہستانی علاقہ تھا 32 ۔

نمبر۷ ہم سب سے آخر میں تمدن ہند کے مشہور مصنف ڈاکٹر لی بان کی رائے نقل کرتے ہیں جو یوں ہے:۔

"غالبا یہ ایران کے قدیم باشندے تھے۔ جب یہ ہندوستان میں آئے تو اس وقت یہ ایران چھوڑ کر قرب و جوار کے ملکوں میں آچکے تھے۔ انہوں نے ہندوستان پر مسلسل حملے کئے" 33 ۔

ہمارے خیال میں بحیرہ خضر (LASPIAN SEA) اور بحیرہ حبشہ (BLACK SEA) کے درمیانی علاقے قدیم ترین آریائی اقوام کا مسکن تھے۔ اس میں آرمینیا کا علاقہ بھی شامل تھا جبکہ بحرہ خضر (CASPIAN) کا مشرقی علاقہ (تاشقند' تبت و فرغانہ کی سرحدوں تک) مساگیتائی (خطائی) اور ساکا اقوام کا جنم بھوم تھا اور یہ اقوام زرد فام منگولوں کی [illegible] تھیں۔ بحیرہ خضر اور بحیرہ حبشہ کے درمیانی علاقوں سے ہی اٹھ کر آریائی قوم [illegible] کے نامعلوم دور میں یورپ و ہند کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں پھیل گئی تھیں۔

اگنی کل راجپوت

اگنی کل راجپوتوں کی اصل پر بحث

جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں وضاحت کر آئے ہیں۔ ابتدا" لفظ راجپوت ان کھتری سورماؤں اور جنگجوؤں کے لئے مستعمل و مروج تھا جو اپنی ہم عصر اقوام میں صاحبان ثروت سمجھے جاتے تھے۔ آریہ مذہب و سماج میں ذات پات کی تبدیلی ایک ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔ کوئی برہمن راجپوت نہیں بن سکتا تھا اور نہ کوئی راجپوت برہمن۔ ذات پات کے اس نظام کو مذہبی تحفظ و تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ اور جب تک آریاؤں کی اس خطہ میں بلاشرکت غیرے حکمرانی رہی تب تک یہ نظام من و عن چلتا رہا۔ لیکن بعد میں جب مغربی دروں کے راستے دیگر اقوام کے قافلے اس ملک میں داخل ہوئے تو اس سے بالخصوص جب یہاں کی آریائی اقوام [illegible] سے ذات پات کے نظام میں [illegible] پیدا ہوتی گئی۔ [illegible] اقوام بھی [illegible] ذاتوں میں شامل ہونے [illegible]۔ [illegible] کی حیثیت [illegible] آریائی قوم [illegible] نے یہ امر [illegible] اونچی ذاتوں میں [illegible]۔

حقیقت یہ ہے کہ اس خطے میں ذات پات کی تبدیلی [illegible] کی مرہون منت رہی ہے۔ ظاہر ہے جس قبیلے کے پاس دولت و قوت [illegible] وہ [illegible] اپنا نام [illegible] اعلیٰ ذاتوں میں درج کروا لیتا تھا۔ ہندی [illegible] کتب کے مطالعہ سے اس بات کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ [illegible] قبائل کے لوگوں سے رشوت لے کر بھی انہیں اعلیٰ ذاتوں میں شامل [illegible] سو یہ کہنا کہ موجودہ راجپوت قبائل خالصتاً آریائی کھتری ہیں [illegible] اقوام کے لوگ بھی شامل ہو گئے ہیں۔ جہاں کئی قبائل رشوت یا قوت کے بل بوتے راجپوت و برہمن بن گئے وہاں کئی کو برہمنوں نے مقدس [illegible] راجپوت بنا دیا۔ ہندی مذہب کی رو سے آگ کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور [illegible] میں سے گزر جاتا تھا وہ پاک ہو جاتا تھا۔ خصوصاً راجپوتوں کی چار [illegible] چوہان، پرہار یا پریہار، سولنکی اور پرمار کے متعلق تو وثوق سے [illegible] کہ یہ [illegible] کھتری راجپوتوں کی نسل سے نہیں تھے۔ انہیں بعد میں [illegible]

راجپوت — جدید تقسیم

راجپوتوں کی جدید تقسیم

دور حاضر کے راجپوت تین بڑے گروپوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروپ سورج بنسی کہلاتا ہے، دوسرا چندر بنسی اور تیسرا یادو بنسی یا جادو بنسی کہلاتا ہے ان گروپوں کی مزید کئی ذیلی شاخیں ہیں۔ ہم ان تینوں گروپوں پر الگ الگ مختصراً بحث کریں گے تاکہ قارئین یہ جان سکیں کہ ان تینوں گروپوں کے ماخذ کیا ہیں۔ یا کون کون سے عظیم انسانی رطوں سے ان کا تعلق ہے۔

اگنی کل راجپوت سورج بنسی کہلاتے ہیں

پنجاب میں جتنے بھی سورج بنسی راجپوت آباد ہیں ان کا نسلی تعلق ساکاؤں سے نسلی رطے سے ہے جبکہ ساکا قدیم زرد فام قوم کے باقیات تھے۔ یہ ساکا قبل ۹۵۰ سے ۸۵۰ قبل مسیح کے درمیانی عرصہ میں پنجاب میں وارد ہوئے تھے، اور یہ لوگ پانچ بڑے قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ بعد میں انہی قبائل کے وفاق یا اتحاد کو پانچ پانڈو بھائیوں کا نام دیا گیا۔ انہیں پانچوں قبیلوں کو آریائی برہمنوں نے غسل آتشیں دے کر کھتری قوم میں شامل کرلیا تھا۔ اگرچہ کئی دیگر قومیں بھی بعد میں سورج بنسیوں میں شامل ہوئی ہوں گی، تاہم اصل سورج بنسی وہی قبائل ہیں جن کا تعلق چوہانوں، سولنکیوں، پرمارں اور پریہاروں سے ہے۔ ان ساکاؤں کے سورج بنسی ہونے کی شہادت اس تاریخی واقعہ یا قصہ سے بھی ملتی ہے جس کے تحت قدیم منگولوں کی ملکہ الن قوا تائی، سورج کی کرنوں سے حاملہ ہوئی تھی اور بعد میں اس کی اولادوں نے سورج کی اولاد کہنا شروع کردیا تھا۔ اس کا تفصیلی تذکرہ ہم نے اپنی ایک اور کتاب "پنجاب کے مخفی ترکی" میں کیا ہے۔

چندر بنسی - قدیم کھتری راجپوت

چندر بنسی راجپوتوں کا نسلی تعلق اگرچہ بلاشبہ قدیم آریائی کھتریوں سے ہے تاہم بعد میں اس قوم میں کئی برہمن قبائل (خصوصاً وہ برہمن جو اقتدار پر قابض رہے)

[illegible] قدیم [illegible] میں [illegible] نے دو گروہ بن گئے تھے ایک گروہ جسے تاریخ کوروں کے نام سے یاد کرتی ہے چندر بنسی کہلواتا تھا جبکہ دوسرا گروہ جسے ہم پانڈووں کے نام سے یاد کرتے ہیں سورج بنسی تھا۔ گویا دوسرے لفظوں میں کوروؤں اور پانڈووں کی جنگ انہی دو گروہوں یعنی سورج بنسیوں اور چندر بنسیوں کے بیچ لڑی گئی تھی۔

یادو بنسی راجپوت

راجپوتوں کا تیسرا گروہ یادو بنسی یا جادو بنسی مشہور ہے۔ ان کا نسلی تعلق کسی بھی صورت میں قدیم آریائی کھتریوں یا ساکا راجپوتوں سے نہیں بنتا۔ حقیقت میں یہ لوگ اس سری کرشن جی کی اولاد ہیں جس نے کوروں اور پانڈووں کی جنگ میں پانڈووں کا ساتھ دیا تھا اور اس شخص کے فہم و تدبر سے پانڈووں نے جنگ جیتی تھی۔ سری کرشن جی کو اوتار بھی مانا جاتا ہے اور اس کی مورتی کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ سری کرشن کون تھے اور ان کا نسلی تعلق کس قوم سے تھا؟۔ اس بارے میں اگرچہ تاریخ مکمل طور پر خاموش ہے لیکن قیاس غالب ہے کہ کرشن جی نسلی اعتبار سے ان دراوڑی اقوام کے چشم و چراغ اور حکمران تھے، جو آریائی حملہ سے پہلے اس خطے کی حکمران تھیں، اور جنھوں نے ہڑپہ و موہنجوداڑو کی تہذیبوں کی بنیادیں رکھی تھیں۔ دراوڑی اقوام قدیم ترین تورانی الاصل منگولوں اور قدیم ترین سیاہ فام ہندیوں کی ایک مخلوط نسل تھی

قدیم کھتری راجے

کھتری راجاؤں کی قدیم تاریخ

ہم اوراق سابقہ میں بتا آئے ہیں کہ سب سے پہلے راجہ کا لقب ان کھتری ذات کے آریاؤں کو دیا گیا تھا جن کا پیشہ سپہ گری تھا اور جو لوٹ مار کر کے بے شمار مویشی و دولت جمع کر لیتے تھے اور صاحبان ثروت تھے۔ اس لحاظ سے راجپوتوں کی اصل تاریخ کا آغاز آریاؤں کے کھتری فرقہ سے ہوتا ہے۔ اور انہی کھتری راجاؤں کی اولادیں آگے چل کر راجپوت کہلائیں۔ اگرچہ بعد میں راجپوتوں میں کئی دیگر بیرونی حملہ آور اقوام بھی شامل کر لی گئیں تاہم قدیم دور کے اصل راجپوت کھتری ہی تھے جن کا مختصراً تذکرہ ذیل کے اوراق میں کیا جائے گا۔

راجہ بھرت۔ پہلا کھتری راجہ

کھتری راجاؤں کا پہلا تذکرہ ہمیں کوروؤں اور پانڈوؤں سے متعلق [illegible] میں ملتا ہے۔ مہابھارت کا یہ قصہ اگرچہ بالشبہ اساطیری رنگ رکھتا ہے تاہم اس قصہ میں کئی تاریخی نوعیت کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ مہابھارت [illegible] میں ہمیں سب سے پہلے جس کھتری راجہ کا نام ملتا ہے وہ راجہ بھرت ہے [illegible] بھارت بھی اسی نام سے ماخوذ ہے۔ قصہ مہابھارت کی اساطیری روایات [illegible] راجہ بھرت کی اولادیں آگے چل کر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئیں [illegible] آگے کی تاریخ کورو اور دوسرے کو پانڈو کے نام سے یاد کی جاتی ہے [illegible] گروہوں یعنی کوروؤں اور پانڈوؤں کے مشترکہ جد امجد کا نام راجہ بھرت تھا [illegible] نقطہ نظر [illegible] کی روشنی میں پہلے کی سابقہ اوراق میں [illegible] پانڈو [illegible] اصلاً اور نسلاً [illegible] ہزاروں کھتری [illegible] کھتری راجہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس ضمن میں [illegible]

"ہندوستان کے مورخین کا بیان ہے کہ "دور [illegible]" سے [illegible]

آخر میں ہستناپور میں ایک راجہ تھا جو ذات کا کھتری تھا اور نام کا بھرت تھا“

یہاں ہستناپور سے مراد غالباً دہلی یا اس کے نواح کا قدیم علاقہ ہے۔ راجہ بھرت ہی نے غالباً سب سے پہلے یہ راجدھانی قائم کی تھی راجہ بھرت کے بعد تاریخ فرشتہ کے مطابق اس کی اولادوں نے سات نسلوں تک ہستناپور پر حکمرانی کی۔ گویا حکمرانی کا سلسلہ بھرت کی اولادوں میں پشت در پشت چلتا رہا۔ راجہ بھرت کا دور حکومت معلوم کرنا بے حد دشوار ہے۔ یہ نامعلوم زمانے کا راجہ تھا۔ غالباً اس دور کا جب آریاؤں کو اس سرزمین پر تسلط حاصل کئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔

راجہ کور کھتری

راجہ بھرت کے بعد جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اسکی اولادوں نے ہستناپور پر سات پشتوں تک حکمرانی کی تاہم اس دور کے ان سات راجاؤں کے نام ہمیں کتب تواریخ میں نہیں ملتے۔ البتہ راجہ بھرت کی آٹھویں پشت میں سے کم و بیش اس کے دور سے اڑھائی صدیاں بعد ایک نوجوان پیدا ہوا جس کا نام راجہ کور تھا۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق ہندوستان کا قدیم شہر کورکھیت جسے اب تھانیسر کہا جاتا ہے اسی راجہ کور کے نام سے آباد ہوا تھا اور اس شہر کا غالباً بانی بھی یہی راجہ تھا 38۔ اس مشہور و عظیم کھتری راجہ کی اولادیں بعد میں کورو کہلائیں۔

راجہ چتربرج کھتری

راجہ کور کے بعد بھی ہستناپور اور اس کے نواحی علاقوں پر کھتری راجاؤں کی پشت در پشت حکمرانی کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ راجہ کور کی چھٹی پشت میں سے کم و بیش دو صدیاں بعد ایک اور راجہ چتربرج نامی پیدا ہوا 39۔ چتربرج سے قبل جو پانچ کھتری راجہ گزرے ان کے مفصل حالات تاریخ کی کتابوں میں درج نہیں ہیں۔ اس راجہ چتربرج کے متعلق بھی صرف یہی لکھا ہے کہ یہ ایک عظیم المرتبت راجہ تھا۔

راجہ چتربرج کے دو بیٹے پیدا ہوئے بڑے کا نام دھتر آشٹر تھا جو پیدائشی نابینا تھا جبکہ چھوٹے کا نام راجہ پنڈا تھا۔

راجہ پنڈا کھتری

راجہ پنڈا کے متعلق جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں راجہ چتربرج کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اگرچہ اس دور کے قوانین کی رو سے اپنے باپ کے بعد فرمانروائی کا حق بڑے بیٹے کا بنتا تھا۔ تاہم چونکہ چتربرج کا بڑا بیٹا دھترآشٹر نابینا تھا اور سلطنت کے کاروبار کے لئے نااہل تھا لہٰذا باپ کے بعد راجہ پنڈا کو اس کا جانشین بنایا گیا۔ اس راجہ پنڈا کی اولادوں نے بعد میں پانڈووں کے نام سے شہرت حاصل کی۔ راجہ پنڈا کے پانچ بیٹوں کے نام حسب ذیل ہیں 40۔

(۱) بدھ مسٹر (۲) بھیم سین (۳) ارجن (۴) نکل (۵) سہدیو۔

بعض مورخین کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ پنڈا کے جن پانچ بیٹوں [illegible] کوروؤں اور پانڈوؤں کے ذیل میں کیا جاتا ہے وہ [illegible] ساکا حملہ آوروں کے پانچ قبائل تھے جو بعد میں کھتری [illegible] اور یہی بات درست بھی ہے جس پر ہم سابقہ اوراق میں [illegible] صورت ہندوستان کی قدیم تاریخ اور خصوصاً مہابھارت کے [illegible] پانچوں کھتری تھے اور راجہ پنڈا کی اولاد تھے۔ راجہ پنڈا نے [illegible] وفات پائی تو حکومت و سلطنت کا سلسلہ پھر سے اس [illegible] آشٹر کے ہاتھ میں آگیا۔ یہ نابینا کھتری راجہ [illegible] چونکہ نابینا تھا لہٰذا کاروبار سلطنت پر عملاً“ اس کا [illegible] دھترآشٹر کے کم و بیش ۱۰۱ بیٹے بتائے جاتے ہیں ۱۱۔

کوروؤں اور پانڈوؤں میں اقتدار کی جنگ

جب راجہ پنڈا کے انتقال کے بعد [illegible] آیا تو اس کے بیٹے دریودھن نے اس خطرہ کے پیش نظر [illegible]

کیدار ہند کی تاریخ میں غالباً پہلا راجہ ہے جس کا تعلق برہمن ذات سے تھا یہ شخص ایران کے بادشاہ کیخسرو اور کیکاؤس کا ہم عصر بتایا جاتا ہے۔ تاہم کیدار برہمن صرف انیس سال تک ہی حکومت کرسکا۔ اس کے دور میں کوچ بہار سے ایک باغی شنکل نامی اٹھا اور کیدار کو شکست دے کر راجہ بن بیٹھا۔ اس شنکل نے بھی ہند میں کافی فتوحات کیں اور اپنی راجدھانی کو خوب وسعت دی۔ اس کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے طاقت کے نشہ میں چور ہو کر شاہ ایران افراسیاب کو خراج دینا بند کردیا۔ افراسیاب نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک بہت بڑی فوج روانہ کی جس میں زیادہ تر تعداد ترکوں کی تھی۔ اس جنگ میں اگرچہ شنکل اور اسکی فوج نے بے حد دلیری سے ایرانی لشکر کا مقابلہ کیا۔ اور قریب تھا کہ وہ انہیں شکست فاش سے دوچار کرتے لیکن عین وقت پر افراسیاب بذات خود اپنے لشکر کی کمک لے کر میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ نتیجہ شنکل اور اس کی فوج کی شکست کی صورت میں سامنے آیا۔ تاہم شنکل نے افراسیاب سے معافی مانگ لی اور افراسیاب نے اسے معاف کرکے معزول کردیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے برھٹ کو حکومت دے دی۔ راجہ برھٹ بے حد عبادت گزار شخص تھا وہ لمبے عرصہ تک حکومت کرتا رہا۔ کم و بیش ۸۱ سال کی عمر میں فوت ہوا تاہم چونکہ برھٹ بے اولاد فوت ہوا تھا لہٰذا اس کی وفات کے بعد حکومت پر کچھواہہ قوم کے ایک راجپوت مہاراج نامی نے قبضہ کرلیا 50 ۔

مہاراج کچھواہہ (راجپوت) کی حکومت

مہاراج نے بھی اپنی حکومت کو بہت وسعت دی اور اس نے نہر والہ (گجرات) وغیرہ کے علاقے تک زیر نگیں کرلئے یہ راجپوت راجہ ایرانی بادشاہ گشتاسپ کا ہم عصر بتایا گیا ہے۔

کیدراج گکھڑ کی حکومت

کیدراج کے متعلق [illegible] یہ شخص موجودہ گکھڑ قوم کا [illegible] سے مندرجہ ذیل اقتباس کو پیش نظر رکھ

کر قائم کی ہے 51 ۔

"مہاراج کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھانجا کیدراج تخت پر بیٹھا۔ چونکہ اس کے زمانے میں رستم کی موت واقع ہوگئی تھی اور کچھ عرصہ سے پنجاب کا کوئی طاقتور حکمران نہ رہا تھا اس لئے کیدراج نے حملہ کرکے اسے (پنجاب کو) اپنے قبضہ میں لے لیا اور کچھ دنوں شہر بھیرہ (موجودہ ضلع سرگودھا کی تحصیل) میں جو ہندوستان کے قدیم ترین قصبوں میں سے ایک ہے قیام کرکے جموں کا قلعہ تعمیر کروایا اور اپنے ایک رشتہ دار کو جس کا نام واک درگا تھا اور جو کھکروں (گکھڑوں) کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور حکمران بننے کا پورا پورا اہل تھا وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس وقت سے اب تک (سترھویں [illegible] اوائل تک) یہ قلعہ (جموں) اسی قوم کے قبضہ [illegible]

[illegible] کے اس اقتباس سے اس بات کی طرف صاف اشارہ [illegible] گکھڑوں کا چشم و چراغ تھا۔ گکھڑوں کی اپنی قومی تاریخ میں بھی اسی امر کی وضاحت ملتی ہے کہ ایک لمبا عرصہ تک جموں میں ان کی حکومت رہی ہے۔ دوسرے گکھڑ قوم جس ایرانی بزرگ کیے گوہر نامی کو اپنا جد امجد بتاتی ہے اس کا نام اور کیدراج کا بھی تقریباً ہم معنی ہے۔ اگر ہم راج کا مطلب چمکنے والا کے لیں تو گوہر اور راج میں صرف زبانوں کا فرق رہ جاتا ہے معنوی لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ جہاں تک "کیے" اور "کید" کے الفاظ ہیں تو ان میں بھی ادائیگی اور تلفظ کا معمولی سا فرق ہے۔ تاہم اس امر پر ہم اپنی ایک الگ کتاب نامی "گکھڑ اور کھوکھر" میں تفصیل سے تحریر کریں گے۔

راجہ جے چند

کیدراج کے دور میں اس کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں۔ حتیٰ کہ اس کی اپنی قوم (گکھڑ) نے بھی کابل اور قندھار کے وسطی کوہستان اور جنگجو قوموں کی ایک قوم چوبیہ سے مل کو بغاوت کردی تھی۔ تاہم کیدراج ان باغیوں سے بچھ دے دبا کر

سمجھوتہ کرکے اقتدار پر قابض رہا۔ لیکن اس کے مرتے ہی پھر سے بغاوتیں پھوٹ پڑیں اور ان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے سپہ سالار جے چند نے حکومت پر قبضہ کرلیا 52۔ جے چند کا دور حکومت بغاوتوں اور افراتفری پر مشتمل رہا۔ یہ شخص ایرانی بادشاہ بہمن و داراب کا ہم عصر بتایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں داراب سے مشہور ایرانی بادشاہ دارائے اول مراد ہے۔ راجہ جے چند دارائے اول کا ہمیشہ وفادار رہا اور اسے متواتر خراج ادا کرتا رہا۔ یہ جے چند فوت ہوا تو اس کا بیٹا کمسن تھا اس کی بیوہ کافی عرصہ تک خود حکمرانی کرتی رہی۔ بالآخر اس کے امراء نے اسے معزول کردیا۔ اور اس کی جگہ ایک شخص دہلو نامی کو راجہ بنادیا۔ جے چند کے متعلق معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کا تعلق کس قوم سے تھا؟ ممکن ہے راجپوتوں کے موجودہ چندر بنسی خاندان کا یہی بانی رہا ہو جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں جے چند سے پہلے کوئی ایسا راجہ نہیں گزرا جس کے نام کے آخر میں چند کا لفظ لگتا ہو۔ جیسا کہ بعد کے چندر بنسی راجاؤں کے نام کیساتھ یہ لفظ بطور لاحقہ لگایا جاتا تھا۔

راجہ دہلو

راجہ دہلو کے متعلق بھی یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کس قوم کا چشم و چراغ تھا؟ تاہم اس نے ہند پر کم عرصہ حکومت کی۔ اس کی زندگی میں ہی کمایوں کے علاقہ کا ایک سردار پورس اٹھا اور قنوج پر حملہ کرکے اس نے راجہ دہلو کو گرفتار کرلیا 53۔

راجہ پورس

یہ وہی مشہور راجہ پورس ہے جس نے سکندر المقدونی کے خلاف دریائے جہلم کے کنارے زبردست جنگ لڑی تھی اور شکست کھائی تھی۔ راجہ پورس کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا زبردست راجہ نہیں گزرا جس کا ان اوراق میں تذکرہ کیا جاسکے۔ البتہ یہاں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا اور مختلف راجدھانیاں قائم ہوگئیں۔ یہ راجدھانیاں بے حد چھوٹی چھوٹی تھیں اور جو راجے ان پر قابض تھے ان میں سے خصوصاً راجپوت راجاؤں کا تذکرہ راجپوتوں کی ذیلی شاخوں کے عنوان کے تحت بیان کیا جائے گا۔

راجپوتوں کی بہادری

فرشتہ سے نقل کر رہے ہیں) 54۔

"ابھی آپ اہل ہند اور خاص طور پر یہاں کے راجپوتوں کی جہالت اور تعصب کی حقیقت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ اس قوم کی جہالت اور بے فکری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے (اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا) تو یہ آخر کار مجبور ہو کر یہ قدم اٹھاتے ہیں کہ اپنا تمام مال و اسباب اور بیش قیمت اشیاء مایوس ہو کر آگ کی نذر کر دیتے ہیں۔ اور اپنے اس فعل کو اپنی آخرت کی بہبودی تصور کرتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد بھی اپنی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی انہیں کوئی راہ نظر نہیں آتی تو اپنے قدیم رواج کے مطابق اپنی عورتوں اور حرم سراؤں کو بھی نذر آتش کر دیتے ہیں اور پھر جب دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس دنیوی مال و متاع کچھ نہیں رہا تو پھر یہ دشمن سے زبردست معرکہ آرائی کرتے ہیں اور اس معرکہ آرائی میں اپنے آپ کو بالکل فنا کر دیتے ہیں اور ماسوائے مٹی کے ان کا نام و نشان کچھ باقی نہیں رہتا۔ اب ان کی مصیبت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اپنے پرانے دستور کے مطابق عمل کریں۔ اگر آپ کو ان کی تباہی و بربادی منظور ہے تو خیر ورنہ آپ صلح کرکے ہم سب کو اپنا ممنون بنائیں۔"

تاریخ فرشتہ سے لئے گئے اس اقتباس سے راجپوتوں کی بہادری و جانبازی کا ہمیں علم [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible] سب [illegible] کے [illegible] کی جا رہی ہیں۔

(۱) [illegible] لوٹ مار کی خاطر

(۲) لونڈیاں و غلام حاصل کرنے کی

(۳) سلطنت کو وسعت دینے کی خاطر

(۴) اپنے مذہبی عقائد و نظریات کے پرچار کی خاطر

اب جہاں تک سلطنت کو وسعت دینے و مذہبی عقائد کے پرچار کا تعلق ہے تو تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ غزنوی حملہ آوروں کا ان [illegible] مقصد [illegible] نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کا سب سے بڑا [illegible] ثبوت یہ ہے کہ محمود غزنوی نے یہاں کبھی اپنی سلطنت قائم نہیں کی۔ بہرحال [illegible] مقصد لوٹ مار کے علاوہ یہاں سے لونڈیاں، باندیاں اور غلام حاصل کرنا بھی ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ راجہ جے پال نے اس مضمون کا خط امیر سبکتگین کو روانہ کیا [illegible] صورت میں وہ اس بات پر تلے بیٹھے ہیں کہ اپنا تمام مال و متاع تلف کر دیں [illegible] شکست کی صورت میں دشمن کے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ اور اگر آپ کا (امیر سبکتگین کا) مقصد یہاں کی نوجوان عورتوں کا حصول ہے تو وہ بھی پورا نہیں ہو سکتا [illegible] کہ جب راجپوت سورما یقین کر لیں گے کہ ان کے سامنے ماسوائے شکست کے [illegible] راستہ باقی نہیں بچا تو وہ اپنی خواتین کو بھی تہ تیغ کر دیں گے تاکہ ان کے مرنے کے بعد وہ دشمن کے ہاتھ نہ آ سکیں۔ [illegible] کے بعد آپ یہاں سے [illegible] سے [illegible] نہیں [illegible] سکیں گے کہ وہ اپنی عورتیں اور اپنا مال و زر تلف [illegible] کے بعد سروں پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں کود پڑیں گے اور [illegible] جان آفریں کے سپرد کر دیں گے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امیر سبکتگین نے راجہ جے پال [illegible]

[illegible]

[illegible] بعد اس نے [illegible] بھی نہیں [illegible]

راجہ جے پال جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ایک [illegible] اور خصوصاً فوج زیادہ تر راجپوتوں پر مشتمل تھی [illegible]

اس کے بیٹے سلطان محمود غزنوی کا کئی بار مقابلہ کیا لیکن ہمیشہ شکست اس کا مقدر رہی۔ چنانچہ جے پال کی مسلمانوں کے ہاتھوں پے درپے شکستوں نے راجپوت سورماؤں کو اس سے متنفر کردیا اور انہوں نے اس کی کمانڈ میں لڑنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ راجہ جے پال نے آگ میں چھلانگ لگا کر خود کشی کرلی اور اپنے جوان سال بیٹے آنند پال کو اپنا جانشین مقرر کردیا 55۔

اسی طرح ملتان کے قریب ۳۹۳ھ کے لگ بھگ سلطان محمود غزنوی کی غالبا ایک اور راجپوت راجہ بجے راؤ سے جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں راجپوتوں نے اپنی عزیمت و بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ سلطان محمود غزنوی کا کیل کانٹے سے لیس لشکر شکست کے قریب جا پہنچا۔ تاہم سلطان کی جنگی حکمت عملی کی وجہ سے اس جنگ میں بھی بجے راؤ کو شکست ہوگئی لیکن اس بہادر شخص نے اپنے دامن پر شکست کا داغ لگا کر مزید زندہ رہنا گوارہ نہ کیا اور اپنی ہی تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کرلی 56۔

پشاور کے نواح میں راجہ جے پال کے بیٹے انند پال سے سلطان محمود غزنوی کا ایک جاندار معرکہ ہوا۔ اس معرکہ میں بھی راجپوتوں نے بہادری کے انمٹ نقوش تاریخ کے صفحات پر چھوڑے۔ اس جنگ کی اہم بات یہ تھی کہ راجپوت عورتوں نے بھی اپنے زیور اتار کر بیچ دئے اور شوہروں کو اسلحہ کی خریداری کے لئے رقم دے دی۔ اس معرکہ کارزار میں سلطان محمود نے راجپوتوں کے تیور دیکھ کر دفاعی حکمت عملی اختیار کی اور اپنی فوجوں کے سامنے خندق کھوددی تاکہ دشمن کے سورما ان تک پہنچ نہ سکیں۔ تاہم پہلے ہی حملہ میں کم و بیش تیس ہزار راجپوت خندق کے اندر داخل ہوگئے اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو تہ تیغ کردیا۔ سلطان محمود غزنوی کو اس جنگ میں شکست یقینی نظر آرہی تھی کہ اچانک قسمت نے اس کی یاوری کی اور راجہ انندپال کا ہاتھی [illegible] سے ڈر کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ راجپوتوں نے سمجھا کہ شکست ہوگئی ہے [illegible] کی وجہ سے ان کا لشکر منتشر ہو کر رہ گیا 57۔

سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں قلعہ [illegible] قبضہ کرتے ہوئے مورخ

محمد قاسم فرشتہ اپنی تاریخ میں یوں لکھتا ہے:۔ 58

"محمود نے اس قلعے کا محاصرہ کرلیا اور پندرہ روز تک قلعہ کشائی کی تدبیریں عمل میں لاتا رہا۔ اس دوران سلطان محمود نے قلعہ کا محاصرہ بڑی سختی سے کرکے تمام راستے مسدود کردیے۔ جب اہل قلعہ کو یہ احساس ہوگیا کہ مسلمان قلعہ فتح کئے بغیر نہ رہیں گے تو ان میں سے بہتوں نے قلعے سے اتر کر اپنی جانیں اپنے ہاتھوں سے تلف کردیں۔ کچھ نے اپنے بال بچوں سمیت اپنے آپ کو نذر آتش کرلیا اور جو باقی بچے وہ قلعہ کا دروازہ کھول کر شمشیر بکف باہر نکل آئے۔ انہوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور سب کے سب مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے"

یاد رہے کہ قلعہ [illegible] راجپوتوں کے پاس تھا اور اس نسل کے راجپوت اب تک [illegible] میں آباد ہیں۔ گویا راجپوت بہادر بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے [illegible] اور ہر قلعہ کو نشان گراؤ بنادیتے تھے۔ اور فتح کے بعد دشمن کے ہاتھ [illegible] خون میں لتھڑی لاشوں کے کچھ نہیں آتا تھا۔

اس طرح قنوج کے راجہ کوراے جب بغیر جنگ کے سلطان محمود غزنوی سے صلح کرلی تھی تو وہاں کے راجپوتوں نے اس پر لعن طعن کی بھرمار کردی اور [illegible] پوری سلطنت میں لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ کالنجر کے ایک راجہ نے [illegible] پر حملہ کردیا اور اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا 59۔ راجپوت جہاں خود جان [illegible] وہاں وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کا راجہ یا حکمران پست حوصلہ [illegible] راجہ کی اطاعت کرنے سے وہ علی الاعلان انکار کردیتے تھے۔

[illegible]

پر دھاوے کئے تو اس وقت دہلی کی حکومت راجپوتوں کے مشہور [illegible] کے ہاتھوں میں تھی۔ راۓ پتھورا نے ترائن کے میدان میں اپنے [illegible] کے ہمراہ پہلی جنگ میں ہی سلطان شہاب الدین غوری کو شکست فاش دی اور سلطان بعد از خرابی بسیار بمشکل جان بچا کر غزنی کی طرف واپس لوٹا 60۔ اگر سلطان شہاب

اس کے ساتھ بھی راجپوت راجے نیم آزاد اور صرف سلطنت
مغلیہ کے ماتحت ہی رہے"۔

گویا دہلی میں پرتھی راج کے شکست کھانے کے بعد بھی ان لوگوں نے راجپوتانہ جاکر نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ اگرچہ راجپوتانہ میں یہ مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور راجدھانیوں میں بٹے ہوئے تھے اور مرکزی حکومت نام کی وہاں کوئی چیز نہ تھی تاہم اس کے باوجود ان لوگوں نے بڑی دیر تک اپنی آزادی و خود مختاری کو برقرار رکھا۔

راجپوت عموماً دہلی میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں "پرتھی راج" کی شکست کے بعد مسلمان ہونا شروع ہوئے۔ ان کے زیادہ تر گروہوں نے پنجاب کے صوفیوں اور مسلمانوں کے معروف روحانی پیشواؤں مثلاً حضرت فرید الدین گنج شکر" حضرت معین الدین چشتی" اجمیری' شیر شاہ آف بہاولپور' حضرت مخدوم جہانیاں" وغیرہم کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ گویا راجپوتوں کے قبول اسلام میں کسی بادشاہ کا خاص عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ بہادر قوم خود اسلام سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئی تھی۔

چوہان اگنی کل

چوہان اگنی کل

چوہان راجپوت پنجاب کے تقریباً تمام اضلاع میں آباد ہیں ۔ یوں تو چوہان راجپوتوں کی بے شمار ذیلی گوتیں ہیں جن کا تذکرہ ہم آئندہ صفحات میں الگ الگ کریں گے تاہم باقاعدہ چوہانوں کی تعداد بھی پنجاب میں بہت زیادہ ہے ۔ سب سے زیادہ چوہان ضلع گوجرانوالہ میں آباد ہیں ۔ دوسرے نمبر پر شاہ پور و سرگودھا میں ہیں جبکہ تیسرے نمبر پر راولپنڈی کے ضلع میں آباد ہیں ۔ لاہور، جہلم، گجرات، ملتان، [illegible] اور بہاولپور میں بھی ان کے لاتعداد خاندان بستے ہیں ۔ ضلع جھنگ اور چکوال میں بھی ان کے کئی خاندان ملتے ہیں۔

لفظ چوہان کی وجہ تسمیہ بے حد دلچسپ ہے ۔ اس ضمن میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ زمانہ قدیم میں ہندوؤں کے مقدس برہمن کوہ آبو (راجپوتانہ) پر عبادات کیا کرتے تھے ۔ اس علاقے کے مقامی باشندے جنہیں ہندی روایت راکھشش قرار دیتی ہے ان برہمنوں کو بے حد تنگ کیا کرتے تھے اور ان کی عبادات میں [illegible] ہوتے رہتے تھے ۔ وہ لوگ ان برہمنوں کی عبادات کا [illegible] تھے ۔ برہمنوں نے ان مقامی لوگوں کی آئے دن کی ستم ظریفیوں سے تنگ آکر ایک اگنی کنڈ تیار کرکے مہادیو سے دعا کی کہ وہ انہیں ان راکھششوں کے ظلم اور شر سے نجات دلائے ۔ چنانچہ مہادیو نے ان کی دعا قبول کی اور آگ میں سے اس نے چار جوان پیدا کئے جن میں ایک کا نام سولنکی، دوسرے کا پرمار، تیسرے کا پریہار جبکہ چوتھے کا نام چوہمہ یا چاہمان تھا ۔ یہ چاروں نوجوان آگ سے یکے بعد دیگرے نمودار ہوئے ۔ جب چوہمہ یا چوہمان آگ میں سے نکلا تو اس کے چار ہاتھ تھے ۔ وہ آگ میں سے اس شان سے نکلا کہ اسے دیکھ کر برہمن عش عش کر اٹھے ۔ شہ زور پہلوان کی طرح اکڑتا، دندناتا اور ڈنٹر پیلتا ہوا وہ آگ میں سے نمودار ہوا ۔ اس نوجوان کے چونکہ چار ہاتھ تھے اس بناء پر اسے چوہمہ یا چاہمان کا نام دیا گیا ۔ بعد میں یہ کثرت الاستعمال ہوکر چوہان مشہور ہوگیا ۔ چنانچہ آگ سے پیدا ہونے والے ان چاروں نوجوانوں نے مقامی باشندوں پر حملہ کردیا اور انہیں تاراج کرکے رکھ دیا ۔ آگ سے پیدا ہونے والے چوہان نامی شہ زور نوجوان کی اولادوں نے آگے چل کر چوہان راجپوت

چوہان راجے

تاریخ فرشتہ میں حسب ذیل چوہان راجاؤں کے نام ملتے ہیں:۔ 63

(۱) راجہ مانک دیو (۲) راجہ دیوراج (۳) راجہ راول دیو (۴) راجہ جاہر دیو (۵) راجہ سر دیو (۶) راجہ پتھورا (پرتھی راج)

علامہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ۷ چوہان راجاؤں کے نام اور ان کی مدت حکومت درج کی ہے جو حسب ذیل ہے:۔ 64

۱۔	راجہ بیسلدیو چوہان	۶ سال ۱ ماہ ۴ روز
۲۔	راجہ مرگنگو چوہان	۵ سال ۲ ماہ ۵ روز
۳۔	راجہ کھرپال چوہان	۲۰ سال ۱ ماہ ۵ روز
۴۔	راجہ سومیر چوہان	۷ سال ۴ ماہ ۸ روز
۵۔	راجہ ناگ دیو چوہان	۳ سال ۱ ماہ ۵ روز
۶۔	راجہ جاہر چوہان	۴ سال ۴ ماہ ۸ روز
۷۔	راجہ پتھورا چوہان	۴۹ سال ۵ ماہ ۱ روز

ممکن ہے متذکرہ بالا سات چوہان راجاؤں کا تعلق صرف تخت دہلی سے ہو جو چوہانوں نے پنوار راجپوتوں سے چھینا تھا۔ بہر صورت آئین اکبری کی رو سے مالوہ پر حکومت کرنے والے چوہان راجاؤں کی فہرست حسب ذیل ہے:۔ 65

۱۔	راجہ [illegible] چوہان	مدت حکومت ۱۰ سال
۲۔	راجہ [illegible] چوہان	مدت حکومت ۱۰ سال
۳۔	راجہ [illegible] چوہان	مدت حکومت ۱۵ سال
۴۔	راجہ [illegible] دیو چوہان	مدت حکومت ۲۶ سال
۵۔	راجہ [illegible] چوہان	مدت حکومت ۱۵ سال
۶۔	راجہ دھرم دیو چوہان	مدت حکومت ۱۳ سال
۷۔	راجہ بھلدیو چوہان	مدت حکومت ۱۰ سال
۸۔	راجہ نانک دیو چوہان	مدت حکومت ۹ سال

راجہ کیرت دیو چوہان	مدت حکومت ۱۱ سال
راجہ پتھورا چوہان	مدت حکومت ۲۱ سال
راجہ مالدیو چوہان	مدت حکومت ۹ سال

اس لحاظ سے گویا چوہانوں نے ۹۵ سال چار ماہ تک حکمرانی کا لطف اٹھایا لیکن تاریخ راجستان کے مصنف کرنل ٹوڈ نے چوہانوں کے شاہی خاندان کا جو شجرہ نسب مرتب کیا ہے اس میں ان کے پہلے راجہ انہل اول سے آخری راجہ رائے پتھورا (پرتھی راج) تک ۳۹ پشتوں کے نام درج ہیں چوہان خاندان کے ان تمام راجاؤں میں سے راجہ بسلدیو اور راجہ پتھورا بہت زیادہ مشہور و معروف گزرے ہیں چنانچہ اس باب میں ہم صرف ان دو راجاؤں کے مختصراً حالات بیان کریں گے۔

راجہ بسلدیو چوہان

ایک روایت کے مطابق راجہ بسلدیو' چوہان راجاؤں کے سلسلہ کا چوتھا راجہ تھا۔ اس راجہ نے تیریا تمر نسل کے لوگوں سے دہلی کا تخت چھینا تھا اور وہاں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ اگر اس روایت کو مدنظر رکھا جائے تو راجہ بسلدیو' چوہان راجاؤں کا گویا سرخیل تھا 68 ۔ ممکن ہے ان کا پہلا راجہ انہل کسی چھوٹی سی راجدھانی کا مالک رہا ہو۔ تاہم راجہ بسلدیو چوہانوں میں سے پہلا بڑا راجہ بنا جس کا تذکرہ تاریخ کے صفحات میں ملتا ہے۔ اس راجہ کے دور حکومت کا تعین کرنا بے حد مشکل ہے کہا جاتا ہے کہ یہ راجہ علوم و فنون اور صنعت و حرفت کا بے حد دلدادہ تھا اور ان دونوں شعبوں نے اس کے دور میں کافی ترقی کی تھی۔ یہ راجہ خود بھی بہت بڑا عالم' فاضل اور ادیب تھا اس نے اپنی سلطنت کی کافی توسیع کی اور اسے مستحکم کرکے اندرونی شورشوں اور بیرونی حملہ آوروں سے بچائے رکھا۔

راجہ پرتھی راج چوہان

[illegible]

بڑے بڑے فرمانروا اس سے کنی کتراتے تھے۔ گویا ہندوستان کے بڑے اور عظیم راجاؤں کی صف میں اسے کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

یہ راجہ ۱۱۷۰ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس وقت چوہانوں کا موروثی تاج و تخت اجمیر تھا جبکہ دہلی اور اس کے نواح میں پنوار راجپوتوں کا پرچم شوکت و عظمت لہرا رہا تھا۔ دہلی پر پنوار راجپوتوں کے آخری حکمران اننگ پال کی چونکہ اولاد نرینہ نہیں تھی لہذا اس نے اپنے نواسے اور چوہان قوم کے چشم و چراغ راجہ پرتھی کو سلطنت دہلی کا وارث مقرر کیا تھا راجہ پرتھی یا رائے پتھورا نے انتظامی لحاظ سے سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا یعنی دہلی پر اس نے اپنے بھائی کھانڈے رائے کو حاکم بنایا تھا جبکہ مالوہ و اجمیر کے علاقے براہ راست اس نے اپنے [illegible] اقتدار میں چوہان راجپوتوں کے اقتدار کا سورج [illegible] [illegible] نیم آزاد و خود مختار [illegible] [illegible] کے سامنے دم بھی مار سکتیں۔

یہ وہی مشہور رائے پتھورا یا پرتھی راج ہے جس کے ساتھ شہاب [illegible] غوری کے مشہور [illegible] ہوئے تھے۔ پہلا معرکہ ۱۱۹۱ء میں تراین کے مقام پر ہوا [illegible] میں سلطان شہاب الدین غوری کو زبردست شکست ہوئی تھی اور وہ تقریباً موت کے منہ سے بچا تھا اسی معرکہ کار زار میں سلطان شہاب الدین کے مدمقابل ہندوستان [illegible] تمام چھوٹے بڑے راجاؤں کا [illegible] سلطان شہاب الدین غوری نے دوبارہ رائے پتھورا کو [illegible] پھر تراین کے مقام [illegible] [illegible] رائے پتھورا [illegible]

میں [illegible] شہاب [illegible] غوری کے ساتھ جس جانفشانی اور بہادری سے راجپوتوں نے [illegible] ترائن [illegible] وہ صرف اسی قوم کا خاصہ تھا چنانچہ شہاب الدین سے شکست کھانے کے بعد وہاں سے [illegible] چوہان اور دیگر راجپوت خاندان ملک کے مختلف گوشوں میں منتشر ہو گئے اور اس دور میں [illegible] لوگوں نے اسلام بھی قبول کر لیا۔

چوہان ۔۔ ذیلی شاخیں

چب ۔ ڈوگر ۔ منہاس وغیرہ

چب چند خوب جانتا تھا کہ وہ طاقت کے ذریعے ٹکیالوں کی اس بغاوت کو فرو نہیں کر سکتا لہٰذا اس نے صلح و صفائی کے بہانے راجہ سری پت کے تمام ورثاء و رشتہ داروں کی دعوت کی اور انہیں دھوکہ سے قتل کروادیا ۔ اور یوں وہاں اپنی حکومت مستحکم کرلی ۔

ضلع گجرات میں چب قوم کے چیف فیملی چب تک پوتھی ہیں ۔ یہ لوگ سکھا شاہی دور میں بھی بے حد اہمیت اور اثر و رسوخ کے حامل سمجھے جاتے تھے ۔ حتیٰ کہ سکھوں کے سردار گوجر سنگھ بھنگی نے جب گجرات کا علاقہ گکھڑوں سے چھین کر اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا تو اس وقت بھی چب قوم راہرن کے خلاف برسر پیکار رہی اور سکھوں سے ٹکراتی رہی ۔ اس قوم کے راجہ عمر خان نے اور اس کے بعد اس کے بیٹے امیر خان نے بے حد جوانمردی کے ساتھ سکھوں کا مقابلہ جاری رکھا ۔ تاہم عمر خان کے فوت ہونے کے بعد چب قوم قدرے کمزور ہو گئی تھی ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی دیگر مسلمان اقوام کے برعکس چب قوم سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کی اور انہیں گوناگوں مراعات سے نوازتا رہا ۔ امیر خان چب سردار کے فوت ہونے کے بعد اس کے چھوٹے بھائی فضل داد خان اور اس کے بعد اسکی اولادوں میں اس قوم کی سرداری کا سلسلہ مدت تک قائم و دائم رہا ۔ سکھوں کے بعد انگریزوں کے دور میں بھی اس قوم کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا اور انہیں ان کی جاگیروں پر بحال رکھا گیا ۔

چب قوم کی ایک اور بڑی رئیس فیملی جہلم میں آباد ہے ۔ اس فیملی کا دعویٰ ہے کہ وہ براہ راست راجہ شاداب خان یا شادی خان کی اولاد ہیں ۔ وہی شادی خان جس نے [illegible] سے دور میں نام پیدا کیا تھا اور جس کی ریاست میں [illegible] سے علاقے شامل تھے ۔ شہنشاہ اکبر کے [illegible] شادی خان زندہ رہا اور [illegible] اسے ناظم [illegible] بھی مقرر کیا تھا ۔ [illegible] کی طرف سے [illegible] تک [illegible] شادی خان کا خطاب عطا فرمایا تھا ۔

سکھا شاہی دور میں اس قوم کا سردار راجہ سلطان خان نامی تھا ۔ اس سلطان خان کے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے بے حد دوستانہ مراسم تھے ۔ کشمیر فتح کرنے کے لئے اس سلطان خان نے رنجیت سنگھ کی بہت زیادہ مدد کی تھی اور اسے ذوگرہ جوانوں کی ایک گرانقدر تعداد بھیجی تھی ۔ تاہم دھیان سنگھ اور گلاب سنگھ دل سے سلطان خان کے دشمن تھے اور اسکی ریاست کی وسعت اور اسکی بڑھتی ہوئی قوت کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے تھے ۔ انہی دونوں سکھ بھائیوں نے دھوکے سے راجہ سلطان خان کو دعوت کے بہانے جموں بلوایا تھا اور جب وہ نماز پڑھ رہا تھا تو اسے قتل کروادیا تھا ۔ عین ممکن ہے کہ راجہ سلطان خان کے قتل کی سازش میں بذات خود مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی ساتھ ہو ۔ تاہم بعد میں بظاہر وہ دھیان سنگھ و گلاب سنگھ پر بے حد خفا ہوا اور سلطان خان کے بیٹے فیض طلب خان کو اس کی ریاست پر بحال رکھا ۔

انگریزوں کے دور میں بھی اس خاندان کی اہمیت کو تسلیم [illegible] گوں مراعات حکومت [illegible] کی طرف سے حاصل رہیں ۔

چب قوم [illegible] کشمیر سے علاوہ پونچھ کے علاقہ میں [illegible] ہے ۔ سکھوں کے دور میں [illegible] کا حامل تھا ۔ اس خاندان کے سردار کا نام پیر بخش خان تھا ۔ [illegible] پونچھ کے ایک حکمران راجہ میرباز خان نے چب خاندان کو زیر کرنے کے لئے اس کی ایک معزز خاتون کو زبردستی اپنے نکاح میں لے لیا تھا ۔ [illegible] قریبی رشتہ دار تھی ۔ چنانچہ پیر بخش خان چب نے راجہ میرباز خان [illegible] ۔ میرباز خان چونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا منظور نظر سردار تھا لہٰذا [illegible] پیر بخش خان کو بے حد [illegible] سزا دی ۔ اس نے [illegible] زندہ جسم گرم ریت میں دبوادیا تھا اور یوں چب سردار بڑے عذاب کے ساتھ فوت ہوا ۔

نسلی اعتبار سے چب راجپوتوں کا تعلق جموال اور منہاس راجپوتوں سے ظاہر ہے منہاس اور جموال اگنی کل چوہان ہیں لہٰذا چب قوم کی باقی ماندہ تاریخ وہی ہے جو ان دونوں اقوام کے ذیل میں بیان کی گئی ہے ۔

تمام چب خاندان راجہ میگھ چند والئے کانگڑہ کے بیٹے پرتاپ چند کی اولاد ہیں۔ پرتاپ چند کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام کھڑک چند تھا۔ اسی کھڑک چند نے موضع کھڑی کڑیالی آباد کیا تھا 67۔

ڈوگر

ڈوگر پنجاب کے مختلف اضلاع میں آباد ہیں۔ سیالکوٹ و لاہور میں ان کی اکثریت آباد ہے۔ اسکے علاوہ گوجرانوالہ، ساہیوال اور ملتان میں ان کے کئی خاندان آباد ہیں۔ جبکہ ڈوگروں کے اکا دکا خاندان راولپنڈی، جھنگ، مظفر گڑھ اور بہاولپور میں بھی ملتے ہیں۔ پنجاب کے علاوہ صوبہ سرحد میں ان کے کئی خاندان پشاور کے نواح میں بھی آباد ہیں جبکہ کشمیر میں بھی ان کی بہت زیادہ گڑھیاں ملتی ہیں۔

پنجاب میں یہ لوگ دریائے ستلج کی بالائی وادیوں اور لاہور کے ساتھ ساتھ دریائے بیاس کے قریب آباد ہیں جبکہ مغربی جانب ان کی گڑھیاں سیالکوٹ سے کشمیر تک پھیلی ہوئی ہیں۔

ڈوگر قوم کی اصل کے متعلق مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ کوئی روایت انہیں پنوار راجپوت بتاتی ہے تو کوئی روایت ان کا سلسلہ نسب چوہان راجپوتوں سے جوڑتی ہے۔ کئی روایات ایسی بھی ملتی ہیں کہ جو ڈوگروں کو سرے سے راجپوت تسلیم ہی نہیں کرتیں۔ تاہم یہ غلط ہے بلاشبہ ڈوگر راجپوت ہیں۔ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کا پیشہ سپاہ گری رہا ہے جو ہند کی راجپوت یا کھتری اقوام کے لئے مخصوص تھا۔ پرانے راجے مہاراجے اپنی فوج میں ڈوگر جوانوں کو خصوصی طور پر بھرتی کیا کرتے تھے چنانچہ ڈوگرہ افواج کی اہمیت ہر دور میں مستحکم رہی ہے۔

پنجاب میں آباد ڈوگر غالباً دہلی کے نواح سے چند صدیاں پیشتر نقل مکانی کرکے یہاں آئے تھے۔ سب سے پہلے یہ لوگ پاک پتن شریف کے نواح میں آباد ہوئے تھے۔ ممکن ہے وہ دور بابا فرید گنج شکر ہی کا ہو اور انہی کے ہاتھ پر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا ہو۔ پاک پتن کے نواح میں آباد ہونے کے بعد یہ لوگ بتدریج دریائے ستلج

کے ساتھ ساتھ آباد ہوتے گئے۔ فیروز پور (ہندوستان) کے ڈوگروں کے متعلق روایت ہے کہ وہ بہلول کے دادا ماہو نامی کی اولاد ہیں۔ بہلول (ڈوگروں کے جد امجد) کے تین بیٹے تھے جن کے نام ببو، لنگڑ اور سمو تھے۔ فیروز پور (ہندوستان) کے ڈوگر اور ڈوگروں کی ایک شاخ ملانوالہ ببو کی اولاد ہیں۔ کھائی شاخ کے ڈوگر لنگڑ کی اولاد ہیں جبکہ قصور اور اس کے نواح میں آباد ڈوگر خاندان سمو کی اولاد ہیں۔ تاہم ان کے علاوہ بھی ڈوگروں کی کئی ذیلی شاخیں ہیں۔ جن میں سے پرچاٹ، ٹوپورہ، چوپورہ، متیر، چھینہ، تگڑا، ماہو اور چوکرا کافی مشہور ہیں۔ ان میں سے چوپورہ علاقہ مندوٹ میں آباد ہیں۔ فیروز پور کے ڈوگر اپنے آپ کو تمام ڈوگروں میں سے اعلٰی و برتر خیال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی بیٹیاں بھی ڈوگروں کی دیگر اقوام میں نہیں دیتے۔

ڈوگر جوان بے حد خوبصورت اور لمبے تڑنگے مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیشہ آزاد زندگی بسر کی ہے اور عموماً پیشہ کاشتکاری سے دور رہے ہیں۔ مال مویشی پالنا یا گلہ بانی ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے اور ماضی میں زیادہ تر خانہ بدوش رہے ہیں۔ مال مویشی اور بھینسیں پالنے کی بناء پر کئی روایات انہیں گوجر قوم کی ایک شاخ بھی بتاتی ہیں۔ ملازمت کے سلسلے میں ان لوگوں نے ہمیشہ پیشہ سپاہ گری کو ترجیح دی [illegible] جنگجو و بہادر مشہور رہے ہیں۔

ماضی میں ڈوگر دیکی کے علاوہ حصار اور سرسہ میں بھی آباد رہے ہیں۔ فیروز پور (ہندوستان) میں یہ ۱۷۶۰ء عیسوی میں داخل ہوئے اور وہاں باقاعدہ الگ ریاست بنالی جو ڈوگرہ ریاست کے نام سے مشہور ہوئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں جب سکھوں نے ان پر پے در پے یلغاریں شروع کیں تو انگریزوں نے انہیں باقاعدہ ایک الگ ریاست کے حقوق دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ یہ ۱۸۰۵ء کا ذکر ہے۔ ۱۸۳۵ء تک یہ انگریزوں کے حمایتی رہے اور رنجیت سنگھ کی یلغار سے بچے رہے۔

کشمیر کے علاقہ میں بھی ڈوگر کافی تعداد میں آباد ہیں۔ پنجاب کے [illegible] تر ڈوگر مسلمان ہیں جبکہ کشمیر و جموں کے ڈوگروں میں مسلم و غیر مسلم [illegible] ڈوگر ملتے ہیں۔ قومیت کے اعتبار سے جموں و کشمیر کے ڈوگروں کی دو بڑی شاخیں ہیں۔ پہلی شاخ جے کاریہ راجپوت کہلاتی ہے۔ یہ وہ ڈوگر راجپوت ہیں جو ہمیشہ

[illegible] کی نوابی توہین سمجھتے ہیں اور ہل کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ دوسری شاخ سادہ ڈوگر راجپوتوں کی ہے جو "لموما" پیشہ کاشتکاری سے وابستہ ہیں۔ ان دونوں کا اگرچہ حسب و نسب ایک ہی ہے تاہم سب کاریہ راجپوت اپنے آپ کو سادہ راجپوتوں سے افضل تصور کرتے ہیں۔ زمانہ ماضی میں کشمیر کے ڈوگر راجپوتوں میں دختر کشی کی قبیح رسم بھی رہی ہے۔

۱۷۶۲ء میں جموں کا حکمران راجہ رنجیت دیو تھا۔ اس راجہ کے پاس بے حد طاقتور ڈوگرہ فوج تھی۔ اس دور میں احمد شاہ ابدالی کی طرف سے کشمیر میں راجہ سوکھ جیون مل اس کا عامل تھا۔ اس راجہ جیون مل نے کسی وجہ سے احمد شاہ ابدالی سے خلاف بغاوت کردی۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کی سرکوبی کے لئے نورالدین خان کو ایک زبردست افغان فوج دے کر کشمیر بھیجا۔ جب راجہ سوکھ جیون مل کو اس کی اطلاع پہنچی تو اس نے جموں کے راجہ رنجیت دیو کو مدد کے لئے لکھا۔ راجہ رنجیت دیو نے اس کی مدد کے لئے ڈوگرہ راجپوتوں کی بے حد جنگجو فوج روانہ کی۔ چیرہ اوڈر کے مقام پر یہ لڑائی ہوئی۔ تاہم لڑائی کے شروع میں ہی ڈوگروں اور سوکھ جیون مل کی فوج کا مشترکہ کمانڈر بخت مل کافی جوانوں کے ہمراہ احمد شاہ ابدالی کی افغان فوج سے جاملا جس کی بناء پر راجہ سوکھ جیون مل بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر افغان فوج نے تعاقب کرکے اسے گرفتار کرلیا۔ ابدالی فوج کے کمانڈر نورالدین خان نے راجہ سوکھ جیون مل کی آنکھیں نکال کر اسے اندھا کردیا اور بادشاہ کے حضور بھیج دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس بدنصیب کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا کر مروا ڈالا اور کشمیر کے علاقہ سے تمام ڈوگروں کو نکال دیا۔ اس کے بعد سکھوں کے عہد تک کوئی ڈوگر کشمیر میں آباد نہ ہوسکا۔ ۱۸۴۶ء میں جب کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ قدرت میں آیا تو اس نے یہاں از سر نو ڈوگرہ قوم کے لوگوں کو آباد کرنا شروع کردیا 68 ۔

میاں راجپوت

میاں راجپوت کشمیر کے علاوہ پنجاب میں بھی آباد ہیں۔ خصوصاً" لاہور میں ان کے بے شمار خاندان آباد ہیں جو مالی لحاظ سے یہاں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

تاریخی روایات ٹھاکر راجپوتوں اور میاں راجپوتوں کی اصل ایک ہی بتاتی ہیں اور انہیں ڈوگرہ راجپوتوں کی شاخ قرار دیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۴۶ء سے قبل یہ ڈوگرہ کہلاتے تھے۔ لیکن جب مہاراجہ کشمیر گلاب سنگھ نے انہیں کشمیر میں آباد کرنا شروع کیا تو کشمیر کے پرگنہ دیو سر میں ڈوگروں کے کئی خاندانوں کو جاگیریں بخش دیں ان چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے جو ڈوگرہ عامل مقرر کئے گئے انہوں نے اور ازاں بعد ان کے جانشینوں نے سرکاری کاغذات میں اپنے آپ کو میاں لکھوانا شروع کردیا تاکہ صاحبان اقتدار اور عام ڈوگروں میں فرق واضح کیا جاسکے۔ کشمیر کی ۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں ڈوگروں کو میاں لکھا گیا ہے۔ اس لحاظ سے لاہور اور پنجاب کے دیگر میاں خاندانوں کی کم و بیش ماضی کی وہی تاریخ ہے جو ڈوگرہ راجپوتوں کے ضمن میں بیان کی جاچکی ہے۔ تاہم لاہور میں ارائیں برادری کے بھی کئی خاندان میاں کہلواتے ہیں 69 ۔

ٹھاکر راجپوت

ٹھاکر راجپوت بھی میاں راجپوتوں کی طرح ڈوگروں کی شاخ سمجھی جاتی ہے اور ڈوگروں کے متعلق ہم بیان کر آئے ہیں کہ ان کا تعلق چوہان راجپوتوں [illegible] ۔

جموال

چوہان، ڈوگرہ، منہاس اور جموال یہ تمام راجپوت قبائل آپس میں [illegible] ہیں۔ اور ان کا نسبی تعلق رام چندر جی کے بیٹے کشن سے ہے۔ جموال خاندان کی اصل کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں چوہان اجودھیا کے حکمران تھے۔ راجہ اجودھیا کا ایک بھائی جس کا نام اگنی برن بتایا جاتا ہے، راج پاٹ اور شاہی [illegible] ترک کرکے جوگی بن گیا اور اس نے اپنا نام بھی [illegible] رکھ لیا۔ یہ [illegible] سفر کرتا اور کانگڑہ سے ہوتا ہوا جموں کے علاقہ کٹھوعہ میں آنکلا۔ یہاں آکر اس نے محسوس کیا کہ اس علاقے میں کوئی مستحکم حکومت نہیں ہے اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ یہ دیکھ کر اسے پھر سے بادشاہت کا شوق پیدا ہوا اور اس نے یہاں کے چند دیہاتوں پر قبضہ کرکے ایک چھوٹی سے نئی ریاست بنالی۔ اس کی اولاد پشت در پشت اس

ہے۔ یہ راجہ ارجن کا پوتا تھا۔ جرال قوم کے جد امجد جسر راؤ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ راجہ نکھہ (والئی کلانور) کی آٹھویں پشت میں سے تھا۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جرال خاندان جرنامی راجپوت کی اولاد ہے جو رانا بھیٹ کے اٹھارہ بھائیوں میں سے ایک تھا۔ بہرکیف راجہ جسر راؤ کی پانچویں پشت میں سے ایک شخص راجہ صاحب سینہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ ۵۷۶ھ بمطابق ۱۱۰۹ء کا واقعہ ہے۔ یہ دور شہاب الدین غوری کا تھا اور غالباً اس شخص نے شہاب الدین ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ صاحب سینہ کے ہمراہ اس کے ایک بیٹے بل سینہ نے بھی اسلام قبول کیا تھا اور شہاب الدین غوری نے صاحب سینہ کا اسلامی نام شیر افگن خان جبکہ بل سینہ کا نورالدین خان رکھا تھا۔ اسی نورالدین خان نے [illegible] میں راجوری میں پال خاندان کے ایک حکمران راجہ امن پال کو شکست دے کر راجوری پر قبضہ کیا تھا اور اس کے بعد نورالدین کی اولادیں کم و بیش سات صدیوں تک متواتر راجوری کی حکمران رہیں۔ جرالوں کے اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ مہاراجہ گلاب سنگھ والئی کشمیر کے دور میں ہوا۔

جرال خاندان وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں بھی آباد ہے۔ اس کے کچھ خاندان ضلع کانگڑہ (ہندوستان) میں آباد ہیں۔ جبکہ کئی خاندان پونچھ و جموں و کشمیر میں بھی آباد ہیں۔

کئی جرال خاندان اپنے آپ کو مرزا بھی کہلواتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مرزا کا خطاب اس قوم کے اجداد کو مغل شہنشاہ اکبر نے دیا تھا 74۔

سلہریا

پنجاب میں سلہریا راجپوتوں کا اصل مرکز ضلع سیالکوٹ کا علاقہ رہا ہے۔ [illegible] ان کی بے شمار بستیاں [illegible] آباد ہیں اور یہ لوگ یہاں کی آبادی کا ناطر خواہ حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس قوم کے بے شمار خاندان ضلع لاہور میں بھی آباد ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اکا دکا خاندان گوجرانوالہ، راولپنڈی، جہلم، گجرات، سرگودھا، شاہ پور، ملتان اور مظفر گڑھ کے اضلاع میں بھی آباد ہیں۔ پنجاب کے علاوہ ان کے کئی

خاندان جموں و کشمیر میں بھی آباد ہیں اور صوبہ سرحد کے بنوں ضلع میں بھی سلہریا راجپوتوں کے چند خاندان ملتے ہیں۔

سلہریا راجپوتوں کی اصل کے متعلق مختلف و متضاد روایات ملتی ہیں ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ چندر بنسی راجپوتوں کی مشہور شاخ پٹھانیہ سے وجود پذیر ہوئے ہیں اور راجہ جسپال [illegible] راجہ سلیس کی اولاد ہیں۔ راجہ سلیس کا دور چودھویں صدی عیسوی کے اوائل کا تھا۔ [illegible]

[illegible]

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا ایک بزرگ [illegible]

[illegible] سلطان موصوف نے ایک بڑی فوج دے کر [illegible] اقوام کی شورش رفع کرنے کے لئے [illegible] مستقل طور پر آباد ہو گیا۔ اس کے ابناء و اخلاف [illegible] میں آباد چلے آ رہے ہیں۔ سلہریا قوم کے لوگ سلطان [illegible] اسلام سے مالا مال ہوئے۔ سیالکوٹ کی سلہریا قوم [illegible]

نے ماضی میں منہاس اور بھٹی راجپوت ہونے کے دعوے کئے ہیں لیکن یہ سب غلط ہیں۔ گورداسپور (انڈیا) کے کئی سلہریہ راجپوت آج بھی اپنے آپ کو باڑی راجپوتوں کی ایک شاخ بتاتے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے جو ہم نے درج کردی ہے۔ ان کا تعلق قبل از تاریخ کے مشہور ہندی فرمانروا چندر گپت کی نسل سے ہے۔ وہی چندر گپت جس نے سکندر اعظم کے گورنر سیلوکس کو شکست دی تھی اور اس کی بیٹی بیاہ لایا تھا۔ یونانیوں کو اس علاقے سے اسی نے نکالا تھا۔ بذات خود چندر گپت اور مشہور راجہ سہیگس کا تعلق بلاشبہ راجپوتوں کے سورج بنسی خاندان سے رہا ہوگا۔ اور غالب امکان ہے کہ وہ سورج بنسیوں کی چوہان شاخ کا گل سرسبد تھا [75]۔

کھچی

کھچی قوم کی اکثریت ملتان اور ساہیوال کے درمیانی علاقوں میں آباد ہے۔ جھنگ اور لاہور کے اضلاع میں بھی یہ کافی تعداد میں آباد ہیں۔ جبکہ ان کے بے شمار خاندان گوجرانوالہ، شاہ پور، سرگودھا اور بہاولپور کے اضلاع میں آباد ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے خاندان ضلع جہلم، گجرات اور مظفر گڑھ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پنجاب کے علاوہ یہ لوگ ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان میں بھی آباد ہیں۔

حسب و نسب کے لحاظ سے کھچی راجپوت ہیں۔ ان کے جد امجد کا نام کھچی یا کھچی خان بتایا جاتا ہے۔ یہ شخص اجمیر کا حاکم تھا اور دربار دہلی میں بھی اس کی رسائی تھی۔ جب دہلی کے چوہان راجپوت حکمرانوں کو مسلم حملہ آوروں کے ہاتھوں شکست ہوئی تو اس کھچی کی اولادیں بھی بکھر گئیں۔ تاہم مغل حکمرانوں کے دور میں کھچی کی [illegible] سے دو شخص جن کے نام یسان اور وادان بتائے جاتے ہیں [illegible] کافی [illegible] میں وارد ہوئے۔ یہ دونوں یعنی یسن اور وادان آپس میں سگے بھائی تھے۔ [illegible] علاقہ میں آکر یسن نے قدہ گاؤں آباد کیا جبکہ وادان نے شیر گڑھ کی بنیاد رکھی۔ [illegible] علاقہ میں [illegible] قوم نے [illegible] قوم کے ساتھ جنگ بھی کی تھی۔ اس دور میں [illegible] سرداروں کے نام [illegible] تھے۔ کھچی قوم میں [illegible] ہیں۔

ایک اور روایت اس قوم کی مغربی پنجاب میں آباد کاری کے متعلق یہ بھی ملتی ہے کہ مغل دور حکومت میں ان کے دو سردار حسین خان اور حاجی فتح خان پہلے پہل اس علاقہ میں آئے تھے۔ یہ دونوں سردار آپس میں سگے بھائی تھے اور مغل فوج کے عہدیدار بھی تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو کسی مغل حکمران نے مغربی پنجاب میں بلوچوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔ ان دونوں نے بلوچوں کو شکست دی اور پھر یہیں آباد ہوگئے۔ بہرکیف یہ واقعہ تاریخ کی کسی کتاب میں ہمیں نہیں ملتا۔ ممکن ہے ان کے دو سرداروں یسان اور وادان نے مغل دور میں اسلام قبول کیا ہو اور ان کے اسلامی نام حسین خان اور فتح خان رکھے گئے ہوں؟

[illegible] کھچی قوم کی [illegible] انہیں نمایاں و بلند مقام حاصل [illegible]۔ انگریز دور [illegible] خاندانوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ [illegible] حلیم کھچی میں آباد ہوئے تھے۔ بعد میں ان [illegible] صوبیدار رائے لوتا یہاں آکر مقیم ہوئے تھے۔ مغل بادشاہوں [illegible] سرداروں نے کافی عروج حاصل کیا تھا۔ ان کے سردار حسین خان [illegible] کھچی نے مغل دور میں بلوچوں کے خلاف جنگی خدمات سرانجام دی تھیں۔ [illegible] بھی اس قوم کے ایک بزرگ عیسی نامی نے آباد کیا تھا۔ [illegible] مواضعات بشمول سرگانہ، قدہ، علی واہ، غلام حسین، عمر کچھی، حسیم [illegible] ڈھمکی و ترکی وغیرہ ان میں مشہور سردار علی خان کھچی [illegible] میں ذیلدار بھی رہے ہیں [76]۔

گوندل

گوندل قوم پنجاب کے تقریباً تمام اضلاع میں آ[illegible]

کہتے ہیں کہ یہ موضع اس قوم نے بھی کسی دوسری قوم سے لڑ کر حاصل کیا تھا۔ ماضی میں غالباً انگریز دور میں ان کا سردار مسمی گولو گزرا ہے جو علاقہ کا نمبردار بھی تھا۔ اس کے بعد نمبرداری اس کے بیٹوں میں ہی رہی۔ بعد میں مسمی غلام فرید بھی نمبردار بن گیا تھا اور یوں نمبرداری کا سلسلہ دونوں خاندانوں میں قائم رہا۔ انگریزوں کے دور میں اس خاندان کے چوہدری امیر خان، چوہدری پہلوان، چودھری اللہ یار، چودھری نذر محمد، چوہدری غلام رسول، چوہدری محمد نواز، چوہدری بہادر اور چوہدری عالم یار وغیرہ نمایاں سردار تھے 85۔

پنوار اگنی کل -- راجے

راجہ گندھرپ کو ہندو روایات اوتار یا دیوتا کے روپ میں بھی پیش کرتی ہیں۔ اس راجہ کے دو چھوٹے بھائی بھی تھے۔ منجھلے کا نام راجہ بھرتری تھا جبکہ چھوٹے کا نام راجہ بکرماجیت تھا۔ راجہ گندھرپ کے انجام کے متعلق بھی ہندی روایات سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوا؟ لیکن غالب ہے کہ اسے تاج و تخت کے حصول کے لئے منجھلے بھائی راجہ بھرتری نے قتل کروادیا تھا۔

راجہ بھرتری

ہندوؤں کی ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ گندھرپ اپنے باپ کو قتل کر کے بادشاہ بنا تھا اور راجہ بھرتری اپنے بھائی گندھرپ کو قتل کے تخت اتار کر راجہ بنا۔ اب راجہ بھرتری کو اپنے چھوٹے بھائی بکرماجیت سے بھی یہی خطرہ تھا تاہم اس سے پہلے کہ راجہ بھرتری اپنے چھوٹے بھائی بکرماجیت کو قتل کرواتا بکرماجیت نے اس خطرے کو بھانپ لیا۔ چنانچہ اپنی وضع قطع سادھوؤں جیسی بنالی اور اس دور کے مشہور و معروف جوگی گورو گورکھ ناتھ کا چیلا بن گیا۔ لیکن راجہ بھرتری اسے کب معاف کرنے والا تھا۔ چنانچہ اس نے اس جوگی (بکرماجیت) کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ تاہم راجہ بکرماجیت کے مقدر میں چونکہ حکمرانی لکھ دی گئی تھی لہٰذا ناگہانی ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا جس سے بکرماجیت بغیر کسی تگ و دو اور مشکلات کے راجہ بن گیا۔

روایت ہے کہ راجہ بھرتری کی اگرچہ بے شمار خوبصورت رانیاں تھیں لیکن اسے سب سے بڑی رانی پنگلہ سے بے حد محبت تھی۔ رانی پنگلا بھی راجہ کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ ایک بار راجہ بھرتری شکار کی غرض سے جنگل میں جارہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہیں اور ایک مرنے والے شخص کی لاش کو چتا میں جلانے کا بندوبست کررہے ہیں۔ اس مرنے والے شخص کی بیوہ بھی بن سنور کر چتا میں جلنے کو تیار بیٹھی ہے۔ جب راجہ بھرتری شکار سے واپسی پر اس راہ سے گزرا تو کیا دیکھتا ہے کہ تمام لوگ تو چتا میں اس شخص کی لاش جلتی چھوڑ کر جاچکے ہیں جبکہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے اور اپنے جسم کا گوشت کاٹ کاٹ کر چتا میں ڈال رہی ہے۔ راجہ بھرتری اس ناری کی اپنے شوہر سے محبت دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور سوچنے لگا

کہ کیا اس کی رانی پنگلہ بھی اس سے اسی قدر محبت کرتی ہے۔ اپنے محل میں آکر یہی واقعہ اس نے اپنی رانی پنگلہ سے بیان کیا تو رانی پنگلہ نے کہا کہ

"وہ عورت ستی نہیں تھی بلکہ ہٹی تھی"

مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ہٹ کی پکی تھی۔ راجہ بھرتری نے رانی پنگلہ سے سوال کیا کہ ستی کیا ہوتی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اصل ستی وہ عورت ہوتی ہے جو اپنے شوہر کی وفات کا سن کر ایک آہ جان سوز بھرے اور مرجائے۔ راجہ بھرتری کو اپنی رانی کی اس بات کا یقین نہ آیا اور اس نے اس کی آزمائش کرنے کا تہیہ کرلیا۔ چنانچہ ایک بار پھر وہ جنگل میں شکار کے لئے گیا تو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنے کپڑے اتار کر اور کسی جانور کے خون میں لت پت کر کے اپنے نوکر کے ہاتھ اپنی رانی کو بھیج دیئے۔ نوکر نے یہ بہانہ بنایا کہ راجہ بھرتری کو کوئی جنگلی درندہ کھا گیا ہے اور وہ خود بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں پہنچا ہے۔ یہ سن کر رانی پنگلہ نے واقعی ایک چیخ ماری اور فوت ہوگئی۔ جب راجہ بھرتری کو اس واقعہ کا علم [illegible] بیٹھا۔ اور راج پاٹ ترک کر کے گورو گورکھ ناتھ کا چیلا بن گیا۔ چنانچہ راجہ بکرماجیت کو قید سے نکال کر عزت و احترام کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا[88]۔

راجہ بھرتری سے پہلے بھی پنوار خاندان کے کئی راجے اوجین و مالوہ پر حکومت کرچکے تھے۔ ان راجاؤں کے نام اور ان کی مدت سلطنت حسب ذیل بیان کی جاتی ہے۔ یہ فہرست علامہ ابو الفضل نے آئین اکبری میں قلمبند کی ہے[89]:

۱۔	راجہ آوت پنوار	۸۶ سال سات ماہ تین روز
۲۔	راجہ برمراج	۹۰ سال سات ماہ تین روز
۳۔	راجہ اوت برما	۹۰ سال
۴	راجہ سدھرو سنگھ	۸۰ سال
۵۔	راجہ ہمرتھ	۱۰۰ سال

تاہم پنوار راجاؤں نے ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک خصوصاً مالوہ اور اس کے نواح میں حکومت کی ہے۔

راجہ بکرماجیت

یہ راجہ جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہو چکا ہے راجہ بھرتری کا چھوٹا بھائی تھا۔ بھائی کے ہاتھوں اپنی جان کے خطرہ کو محسوس کر کے سادھو بن گیا تھا۔ تاہم جب بھرتری تاج و تخت چھوڑ کر بذات خود جوگی بن گیا تو اسے حکومت مل گئی۔ تاریخ فرشتہ نے اس راجہ بکرماجیت کے واقعات حسب ذیل پیرایہ میں بیان کئے ہیں 90۔

"بکرماجیت کا تعلق پوار قوم سے تھا۔ وہ طبیعت کا بہت نیک تھا۔ اس کی حقیقت ان قصوں اور روایتوں سے معلوم کی جا سکتی ہے جو ہندوؤں میں کہانیوں کی طرح مشہور ہیں۔ راجہ بکرماجیت ابتدائے جوانی سے کئی سال تک فقیروں کی وضع قطع اختیار کئے انہی کے گروہ میں شامل ہو کر جگہ جگہ کی سیاحت اور طرح طرح کے مشاہدے کرتا رہا۔ جب اس کی عمر پچاس سال کی ہوئی تو اس نے غیبی راہنمائی سے سپہ گری کے میدان میں قدم رکھا۔ چونکہ خدا کی مرضی اسی میں تھی کہ یہ فقیر ایک بہت بڑا فرماں روا بنے اور خدا کے بندوں کو ظالم حکمرانوں کے پنجہ ظلم سے آزاد کرائے اس لئے بکرماجیت کو بڑی ترقی حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کچھ ہی عرصہ میں نہروالہ اور مالوہ اس کے قبضے میں آ گئے۔ عنان حکومت سنبھالتے ہی اس راجہ نے عدل و انصاف کو دنیا میں اس طرح پھیلایا اور اپنے احسان کے چتر کے سائے تلے ہر شہر اور اہل شہر کو اس طرح پناہ دی کہ ظلم اور سفاکی کا کہیں نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ بکرماجیت کی حالت اور اس کا مرتبہ دنیا کے عام انسانوں سے کہیں بلند تھا۔ اس کے عرفان اور روشن ضمیری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو بات اس کے دل میں ہوتی تھی وہ بغیر کسی کمی بیشی کے ظاہر ہو جاتی تھی اور ہر اچھا یا برا واقعہ جو رات کو اس کے ملک میں ہوتا تھا اس کی اطلاع اسے دن میں ہو جاتی تھی۔

باوجود فرمانروا ہونے کے وہ اپنی رعایا کے ساتھ بالکل

برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ اس کے گھر کا تمام سرمایہ ایک مٹی کے پیالے اور ایک بوریئے پر مشتمل تھا۔ بکرماجیت نے اجین کو آباد کیا اور دھار کے قلعے کو تعمیر کروا کے اپنا مسکن بنایا۔ اجین کا مشہور بت خانہ مہاکال بھی اس نے بنوایا تھا اور ان جوگیوں اور برہمنوں کے وظیفے مقرر کئے تھے جو اس بت خانہ میں رہ کر عبادت کرتے تھے وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ اپنی رعایا کے حالات جاننے اور خدا کی عبادت کرنے میں صرف کرتا تھا۔ ہندوستان کے لوگ اس راجہ کے متعلق بہت اچھا عقیدہ رکھتے ہیں اور عجیب و غریب قصے اور افسانے اس کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ (ہندوؤں کے) سال اور مہینوں کی ابتداء اس راجہ کی وفات کے دن سے ہوتی ہے۔ اس کتاب (تاریخ فرشتہ) کی تصنیف کے وقت کہ جو مدت نبویؐ کا ایک ہزار پندرھواں سال ہے بکرماجیت کی وفات کو ایک ہزار چھ سو تریسٹھ سال گزر چکے ہیں۔ راجہ بکرماجیت ایران کے بادشاہ اردشیر کا ہم عصر تھا۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اس کا اور شاہ پور کا زمانہ ایک تھا۔ بکرماجیت کے آخری زمانہ میں ایک زمیندار نے جس کا نام سال باہن تھا اس پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں سال باہن کو فتح حاصل ہو گئی اور بکرماجیت مقتول ہوا۔

ہم نے راجہ بکرماجیت کے واقعات تاریخ فرشتہ سے من و عن نقل کر دیئے ہیں۔ فرشتہ کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ بکرماجیت کو راجہ بنانے کے لئے اس دور کی [illegible] قوتوں نے اس کی بھرپور پشت پناہی کی تھی۔ اس قصہ پر ہم اپنی دوسری کتب [illegible] اور بٹ (راجہ سالباہن کی اولادیں) میں بھرپور تبصرہ کر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ [illegible] یا سالباہن بھٹی قبائل کا جد امجد تھا جس نے سیالکوٹ کی راجدھانی قائم کی تھی۔

راجہ بھوج

پنوار --- ذیلی شاخیں

سیاں

سب سے نمایاں قوت سمجھے جاتے تھے۔ ان کا نامی گرامی سردار ولی داد خان گزرا ہے۔ یہ ولی داد خان ۱۷۴۸ء میں فوت ہوا تھا۔ اس سردار کے دور میں اس قوم نے بے انتہا ترقی و عروج حاصل کیا تھا اور ولی داد خان کی سرکردگی میں یہ لوگ ایک طرف تو منکیرہ سے تھل تک اور دوسری طرف کمالیہ کے علاقہ میں راوی کے کناروں تک کے رقبے پر قابض ہوگئے تھے۔ بلکہ ان کا اثر و رسوخ پنڈی بھٹیاں تک کے علاقوں تک رہا ہے ولی داد خان کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا عنایت اللہ خان اس قوم کا مشترکہ سردار بنایا گیا۔ تاہم عنایت اللہ نہ تو انتظامی لحاظ سے ولی داد خان کا ہم پلہ تھا اور نہ ہی عسکری اہلیت کے لحاظ سے۔ پھر سونے پہ سہاگہ یہ ہوا کہ اسے ایک طرف سے بھنگی قوم کے سکھوں کی یلغار کا مقابلہ کرنا پڑا تو دوسری طرف ملتان کے روساء سے جنگیں بھی لڑنا پڑیں۔ اس پر بھی غضب یہ ہوا کہ رشید پور کے سیال بھی اپنے اس بھائی بند کے مخالف ہوگئے۔ ان سیالوں نے اپنے اس رشتہ دار سردار پر شب خون مارا اور اسے قیدی کرلیا اور یہ عنایت اللہ متواتر چھ ماہ تک ان کی قید میں رہا۔ سیالوں پر یکے بعد دیگرے یہ مصیبتیں پڑیں تو اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ وہ متواتر کمزور ہوتے گئے اور ان کی اس کمزوری و باہمی خانہ جنگی کا فائدہ سوکر چکیہ مثل کے سکھوں کو پہنچا۔ وہ اس علاقے کی ایک زبردست قوت بن کر اٹھے اور انہوں نے سیالوں سے جھنگ و چنیوٹ کے علاقے ہتھیا لئے۔ ۱۸۰۶ء میں احمد خان سیال کو اپنی قوم کا سردار بنایا گیا اور غالباً یہی اس قوم کا آخری قابل ذکر اور مشترکہ سردار تھا۔ احمد خان نے اپنی قوم کو متحد و منظم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا لیکن ناکام رہا۔ ۱۸۱۰ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اسے گرفتار کرکے قید میں ڈال دیا اور اس کے ساتھ ہی سیالوں کا شیرازہ بکھر گیا اور گویا ایک آزاد ریاست ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

سیال رائے شنکر کی اولاد ہیں جو ایک پنوار راجپوت تھا۔ پنوار دارا نگر کے رہنے والے تھے۔ دارا نگر الہ آباد اور فتح پور کے درمیان واقع ہے۔ وہاں سے پنوار راجپوتوں کا ایک گروہ نقل مکانی کرکے جامپور میں آباد ہوا اور یوں جامپور میں رائے شنکر کی پیدائش ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس رائے شنکر کے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام سیو، گھیبو اور ٹیو تھے۔ اور رائے شنکر کے یہ تینوں بیٹے تین بڑی راجپوت قوموں

کے بانی بنے سیو سے سیال، گھیبو سے گھیبے اور ٹیو سے ٹوانے وجود پذیر ہوئے۔ اس لحاظ سے گویا سیال ٹوانے اور گھیبے ہم نسل اور بھائی بند ہیں تاہم گھیبے اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنی اصل مغل بتاتے ہیں۔ اور ہمارے خیال کے مطابق بھی یہ لوگ نسلی اعتبار سے راجپوت نہیں ہیں۔ بہرکیف سیالوں نے جھنگ کو آباد کیا۔ ٹوانوں نے شاہ پور میں سکونت اختیار کی جبکہ گھیبوں نے پنڈی گھیب آباد کیا۔

علاؤ الدین غوری نے جب ہند پر دھاوا کیا تو راجپوتوں کے کئی گروہ ہند سے نقل مکانی کرکے پنجاب میں داخل ہوئے۔ اس دور میں رائے شنکر کے بیٹے سیو نے بھی پنجاب کی طرف نقل مکانی کی۔ اس کے ہمراہ اس کے دیگر بھائی بھی تھے اور دیگر راجپوت خانوادے مثلاً چدھڑ اور کھرل بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ جب ہند سے نقل مکانی کرکے موجودہ مغربی پنجاب میں داخل ہوئے تو انہوں نے سیدھا پاک پتن شریف کا رخ کیا۔ اس وقت پاک پتن شریف میں مشہور صوفی بزرگ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ موجود تھے اور غیر مسلم اقوام جوق در جوق ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کررہی تھیں۔ چنانچہ ان راجپوت جتھوں نے بھی بابا فرید گنج شکرؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دی اور اسلام قبول کرلیا۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور دو آبہ جہلم و چناب کے علاقہ میں آباد ہونے کی تلقین فرمائی۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا وصال ۱۲۶۴ء یا ۱۲۶۵ء میں ہوا۔ اس کے بعد سیالوں، ٹوانوں، چدھڑوں اور کھرلوں کے گروہ خانہ بدوشوں کی طرح رچنا اور بیچ دو آب کے علاقوں میں کافی عرصہ گھوم پھر کر زندگی گزارتے رہے۔ سیال پہلے پہل دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر آباد ہوئے۔ اسی اثناء میں سیالوں کے جد امجد سیو کا رشتہ ساہیوال کے ایک مسلمان سردار نامی بھائی خان کی بیٹی مسماۃ سہاگ سے طے پاگیا۔ اس کے بعد سیالوں نے سیالکوٹ کے علاقہ میں بھی اپنا ایک قلعہ تعمیر کرلیا اور کافی عرصہ وہاں آباد رہے اور بعد میں ترقی و قوت حاصل کرکے شاہ پور، جہلم، منکیرہ اور گڑھ مہاراجہ کے علاقوں پر بھی تسلط حاصل کرلیا۔ تاہم سیالوں کا اصل مسکن و مرکز جھنگ کا جنوبی علاقہ رہا ہے جو دریائے چناب کے بائیں جانب راوی تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم دور میں راوی کے دونوں کناروں پر

تھے جو ایک مشہور سرکانہ سردار مہر محرم کی اولادوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی انگریزی عہد میں خدمات سرانجام دی تھیں 98 ۔

د۔ ھراج

ھراج قوم کے لوگ چونکہ پنجاب [illegible] تحصیل کبیروالہ میں بھی کافی تعداد میں آباد ہیں اور بے حد اثر و رسوخ کے حامل رہے ہیں سکھوں اور انگریزوں کے عہد میں بھی ان لوگوں کا سیاسی کردار بے حد نمایاں و ممتاز رہا ہے۔ انگریز دور میں ان کے سردار ولی محمد خان ہراج بہت مشہور گزرے ہیں۔ ھراج قوم دراصل پنجاب کے کم و بیش ایک سو چالیس مواضعات میں آباد ہے۔ ۱۸۵۷ء میں ان کا مشہور سردار مہر سلطان خان تھا جس نے انگریز حکومت میں کافی اثر و رسوخ پیدا کیا تھا۔ سردار موصوف نے کوئٹہ کی مہم کے دوران انگریزوں کو ایک سو اونٹوں کا قافلہ فراہم کیا تھا۔ مہر سلطان خان' سردار اللہ یار خان کے بیٹے تھے۔ سکھوں کے عہد میں مہر سلطان خان کے والد مہر سلدا ھراج بے حد نامور زمیندار تھے۔ جنگ عظیم کے دوران بھی اس قوم کے سرداروں نے انگریز حکومت کی بہت زیادہ خدمات سرانجام دی تھیں اور ان سے انہیں کافی مراعات بھی حاصل ہوئی تھیں 99 ۔

ہ۔ تھراج

ھراج اور تھراج باہم بھائی تھے۔ اس طرح یہ اقوام نسل کے اعتبار سے ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ بھی کافی اثر و رسوخ کے مالک رہے ہیں۔ ان کی باقی ماندہ تاریخ وہی ہے جو سیالوں کے ذیل میں پیش کی گئی ہے 100 ۔

و۔ مرالی

مرالی قوم کے متعلق بھی یہی خیال ہے کہ سیالوں کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ یہ لوگ جھنگ' ملتان' شاہ پور اور میانوالی کے علاوہ پنجاب کے دیگر کئی اضلاع میں بھی آباد ہے۔ مرالی خاندان کی ایک شاخ موضع حشمت مرالی تحصیل کبیر والہ میں بھی آباد ہے

یہ خاندان پہلے پہل موضع اوڈانوالی ضلع جھنگ میں مقیم تھا جہاں سے ان کے ایک بزرگ مہر سرور انگریزی دور میں نقل مکانی کرکے موضع حشمت مرالی میں آباد ہوئے تھے۔ ان کے ایک بیٹے باقر خان نے راوی کے کنارے موضع گل پور آباد کیا تھا۔ حشمت مرالی مہر حشمت کے نام سے آباد ہوا تھا اور باقر خان اس حشمت خان کا بیٹا تھا۔ فیروز پور میں بھی ان کے بزرگوں نے اراضی خریدی تھی اللہ یار خان حشمت مرالی کا مشہور نمبردار تھا 101 ۔

ز۔ سنپال

سنپال بھی سیالوں کی ذیلی گوت ہے۔ ملتان میں زیادہ تر راوی [illegible] کے گاؤں ہیں۔ ان کے جد امجد نے سانیوال کے ایک مقامی [illegible] سے شادی کی تھی 102 ۔

ح۔ وادوانہ' کملانہ' دوانہ اور پنجوانہ

یہ تمام گوتیں سیالوں کی اصلی اور مشہور ذیلی شاخیں ہیں۔ [illegible] بیش وہی ہے جو ہم سیالوں کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں۔ ملتان میں [illegible] لوگ اچھے کاشتکاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان خاندانوں کے نام ان کے اجداد کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ یعنی وادو' دوان' کملان اور پنجوان یہ چار بھائی تھے [illegible] الگ یہ چار شاخیں بنی ہیں 103 ۔

ط۔ فتیانہ اور تہرانہ

فتیانہ اور تہرانہ ضلع ساہیوال کی مشہور اقوام ہیں جن کا تعلق [illegible] ہے۔ یہ قومیں اس ضلع میں بے حد ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ ان قوموں کا بھی اپنی اصل کے متعلق کم و بیش وہی دعویٰ ہے جو سیالوں کے باب میں ہم [illegible] یہ پنوار راجپوت ہیں اور زمانہ قدیم میں دھارا نگر میں رہتے تھے۔ [illegible]

[illegible]

کی سرزمین میں ایک گاؤں لوکھلی موہلہ کے نام سے بسایا۔ میر علی خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا میر احمد خان قوم کا سردار بنایا گیا۔ میر احمد خان نے لوکھلی موہلہ سے سات میل مشرق کی طرف میٹھا پانی تلاش کرلیا اور اسی نسبت سے وہاں ایک نیا قصبہ مٹھہ ٹوانہ آباد کیا۔

میر احمد خان اپنے ہمسایہ اعوانوں سے بے حد عداوت رکھتا تھا اور گاہے بگاہے ان کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنے علاقے کی توسیع کرتا رہتا تھا۔ اعوانوں سے اس نے متعدد جنگیں لڑیں۔ ایک موقع پر اس نے موجودہ قصبہ ہڈالی کے قریب شب خون مار کر اعوانوں کے بے شمار آدمی قتل کردیئے۔ ایک روایت ہے کہ ان مقتولین کے جسموں کے گوشت گل سڑ گئے اور صرف ہڈیوں کے ڈھیر کافی عرصہ تک وہاں پڑے رہے جس کی وجہ سے اس قصبہ کو ہڈالی کا نام دیا گیا یعنی ہڈیوں والی جگہ۔ تاہم یہ روایت غلط ہے۔ موضع ہڈالی کے قریب زمانہ قدیم میں کھدائی کے دوران کافی انسانی ہڈیاں برآمد ہوئی تھیں۔ جس کی بناء پر اس موضع کا نام ہڈالی پڑ گیا تھا۔ بہر صورت اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹوانہ سرداروں میں سے اعوانوں کا سب سے بڑا دشمن میر احمد خان ہی تھا۔ میر احمد خان کا زمانہ لگ بھگ سترھویں صدی عیسوی کے آخری ربع کا ہے۔

اس میر احمد خان کی اعوانوں سے روایتی دشمنی کے متعلق رؤسائے پنجاب کے مصنف سر لیپل ایچ گریفن نے لکھا ہے کہ

"میر احمد خان کی اپنے ہمسایہ اعوانوں کے ساتھ متواتر لڑائیاں رہیں اور مٹھہ ٹوانہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر بمقام ہڈالی اس نے اعوانوں کے بہت سے آدمی قتل کرکے انہیں شکست دی"

میر احمد خان کے بعد جب ان کے جانشینوں یعنی داود خان اور شیر خان کا دور آیا تو انہوں نے اپنے علاقہ کو بے حد ترقی دی اور اسے سرسبز و شاداب قطعہ اراضی بنا ڈالا اور مٹھہ ٹوانہ جلد ہی ایک پررونق قصبہ بن گیا۔ ان سرداروں نے جہلم اور منکیرہ سے گھڑ اور چھبل قوم کے لوگوں کو اس علاقہ میں آباد ہونے کی دعوت دی اور ان کے ذریعے اس علاقہ کی زمینوں کو ہموار اور قابل کاشت بنوالیا۔ اسی دور میں دریائے چناب

کے بالائی علاقوں کے رہنے والے نون بھی اپنے علاقہ سے اٹھ کر یہاں آئے اور ٹوانوں کے ساتھ آباد ہوگئے۔

میر احمد خان کے دو بیٹوں شیر خان اور عالم شیر خان نے اپنے باپ کی جابرانہ و ظالمانہ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور اپنے چچا میر خان اور باپ یعنی میر احمد خان کو شکست دے کر قلعہ کی دیواروں کے ساتھ قتل کردیا تھا۔ اس بغاوت میں یہاں کے عوام نے ان دونوں بھائیوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ غالباً وہ لوگ بھی میر احمد خان کی جابرانہ و استحصالی حکومت سے تنگ آچکے تھے۔ شیر خان اور عالم شیر خان دونوں بھائی بعد میں ٹوانوں کے مشترکہ سردار رہے اور ان کی آپس میں کبھی ناچاکی نہیں ہوئی۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنے علاقہ کو مزید وسعت دی اور ہمسایہ اعوانوں سے وڑچھہ اور کوہستان نمک کا کافی سارا علاقہ چھین کر اپنی حدود میں شامل کرلیا۔ خصوصاً عالم شیر خان اعوانوں کا اپنے باپ میر احمد خان سے بھی بڑھ کر دشمن ثابت ہوا۔ اعوانوں سے اس عالم شیر خان کی روایتی دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے رؤسائے پنجاب کے مصنف سر لیپل ایچ گریفن رقم طراز ہیں کہ

"عالم شیر خان اعوانوں کا شکار دنیا کے سب شکاروں سے بہترین سمجھ کر کرتا تھا۔ اکثر اکیلا بندوق ہاتھ میں لئے پہاڑوں میں چلا جاتا تھا اور ان شوقینوں کی طرح جو غریب تیتروں کا شکار کرنا اولوالعزمی سمجھتے ہیں، دو تین اعوانوں کو مارنے کے بعد گھر واپس آکر کھانا کھاتا تھا"

جس زمانے میں شیر خان ٹوانوں کے سردار تھے، ٹوانے ڈیرہ اسماعیل خان کے نامان حکومت کو خراج دیا کرتے تھے۔ شیر خان نے اپنے آپ کو نامان حکومت ڈیرہ غازی خان سے طاقتور خیال کرتے ہوئے انہیں خراج دینا بند کردیا۔ بلکہ عالم شیر خان نے تو نامان ڈیرہ جت کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو نہ صرف خراج نہ دیا بلکہ حملہ کرکے ان کے سردار کو بھی قتل کردیا۔ جبکہ باقی ماندہ جان بچا کر بھاگ گئے۔
۱۷۳۵ء میں شیر خان ٹوانہ نے نور پور ٹوانہ آباد کیا اور یہ مقام بھی مٹھہ ٹوانہ کی طرح تھوڑے ہی عرصہ میں سرسبز و شاداب بن گیا۔ شیر خان کی قوت یہاں تک

[illegible] بھی آنکھیں دکھانا شروع کردیں۔
[illegible] نے جھنگ کے سیالوں کے مشہور و جنگجو سردار عنایت خان سے جھگڑا پیدا
[illegible] عنایت خان نے دریائے جہلم کے دائیں کنارے
[illegible] یہ مقام نواب آف ملتان کی عملداری میں آتا تھا۔
عنایت خان نے یہ مقام نواب آف ملتان سے چھین کر شیر خان ٹوانہ کو اس شرط پر
[illegible] کا باقاعدہ سالانہ حق الخدمت اسے ادا کیا کرے گا۔ شیر خان
کچھ عرصہ تو یہ رقم باقاعدہ ادا کرتا رہا۔ تاہم بعد میں اس نے ادا کرنے سے انکار کردیا۔
شیر خان نے [illegible] کے بعد سیالوں پر حملہ کی غرض سے اپنی قوم کے جوانوں کی ایک فوج
جمع کی اور سیالوں کے ایک قلعہ کوٹ لنگر خان کا محاصرہ کرلیا۔ عنایت خان نے جب یہ
خبر سنی تو وہ بھی مقابلہ کے لئے سیالوں کی فوج لے کر روانہ ہوا۔ مقام بھور پر ان
دونوں رشتہ دار و بھائی بند قوموں کی زبردست لڑائی ہوئی۔ تاہم عنایت خان نے سیالوں
کی جنگجو فوج کے ساتھ اس معرکہ کارزار میں ٹوانوں کو شکست فاش دی اور اپنا علاقہ وا
گزار کروایا۔ عالم شیر خان اپنے بھائی شیر خان کے ساتھ پہلے ہی ایک لڑائی میں مارا گیا
تھا۔ عالم شیر خان کے قتل ہونے کے بعد شیر خان کئی سال تک متواتر بلا شرکت غیرے
ٹوانوں کا مشترکہ سردار رہا۔ اور ۱۷۶۷ء میں دو بیٹے خان محمد خان اور خان بیگ خان
چھوڑ کر فوت ہوا۔ خان محمد خان چونکہ بڑا تھا لہٰذا اس کو باپ کا جانشین مقرر کیا گیا۔
خان محمد خان کے پاس جونہی ٹوانوں کی حکومت آئی 'بتالہ' ھڈالی اور ہموکا کے باشندوں
نے علم بغاوت بلند کردیا۔ ان علاقوں میں حسنال اور ستیال اقوام آباد تھیں۔ خان محمد
خان نے بڑی مشکل سے اس بغاوت پر قابو پایا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ خان محمد خان
کے والد شیر خان نے اپنے دور میں جھنگ کے سیالوں سے جنگ لڑی تھی اور ظاہر ہے
یہ دشمنی ان دونوں بھائی بند قبیلوں میں خان محمد خان کے دور تک چلی آرہی تھی۔ خان
محمد خان خوب جانتا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں سیالوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ظاہر
ہے سیال قوم عددی لحاظ سے ٹوانوں پر نمایاں فوقیت رکھتی تھی۔ خان محمد خان نے بے
حد دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیالوں کے ساتھ دشمنی کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنے
کے لئے جھنگ کا خیر سگالی کا دورہ کیا۔ جھنگ کے سیالوں نے بھی اس خیر سگالی کا بڑا اچھا

[illegible] جواب دیا۔ تاہم ابھی خان محمد خان [illegible] ہی تھا کہ اس کے چھوٹے بھائی
خان بیگ خان نے مٹھ ٹوانہ اور اسکے نواح کے علاقوں پر قبضہ کرلیا اور اپنے بھائی کی
حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ خان محمد خان جب جھنگ کے [illegible] دورہ سے واپس آیا تو
اس نے دیکھا کہ مٹھ ٹوانہ کے دروازے اس کے لئے بند ہوچکے ہیں۔ خان محمد خان
فوراً واپس پلٹا اور نور پور ٹوانہ چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے حامیوں کی ایک فوج جمع کی
اور اپنے باغی بھائی کو سبق سکھانے کے لئے اس پر چڑھ دوڑا۔ اس کا بھائی خان بیگ
خان بڑے بھائی کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکا اور شکست کھا گیا۔ شکست کے بعد خان
محمد خان نے اسے گرفتار کرکے قید میں ڈال دیا۔ تاہم بعد میں خان بیگ خان نے صدق
دل سے تائب ہوکر اپنے بھائی کی تازیست اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرلیا جس کی بنا
پر خان محمد خان نے بھی اسے رہا کردیا۔ خان محمد خان کے دور میں بھی ٹوانوں نے بے
حد ترقی کی اور مضبوط و منظم قوم بن کر ابھرے۔ تاہم خان محمد خان اپنی زندگی میں کبھی
چین سے نہ بیٹھا اور اسے متواتر کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ نواب آف منکیرہ نے ایک بار
نور پور تھل پر حملہ کردیا اور ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ٹوانوں کا محاصرہ کئے رہا۔ تاہم اس
معرکہ میں بھی فتح و کامرانی نے خان محمد خان کے قدم چومے اور نواب آف منکیرہ
شکست کھا کر بھاگ گیا۔

خان محمد خان کے دور میں خوشاب کے علاقہ کا سردار رئیس لال خان نامی تھا۔
خان محمد خان کی لال خان سے ہمیشہ دوستی رہی اور ان دونوں پڑوسی سرداروں کا باہم کبھی
جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ تاہم لال خان کے جانشین اور بڑے بیٹے جعفر خان کو ہمیشہ خان محمد
خان کے توسیع پسندانہ عزائم کی وجہ سے خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں وہ ان کے علاقہ پر
نہ چڑھ دوڑے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر جعفر خان نے اس ٹوانہ سردار سے چھٹکارا
پانے کے لئے منصوبہ بندی شروع کردی تھی۔ ایک بار خان محمد خان کسی کام سے
خوشاب آیا ہوا تھا کہ جعفر خان نے اس پر خفیہ حملہ کرکے اسے قتل کرنے کا منصوبہ
تیار کیا۔ اتفاق سے خان محمد خان کو اس منصوبے کا بروقت پتہ چل گیا اور خطرہ کو بھانپ
کر وہ واپس اپنے قصبہ کی طرف بھاگ آیا۔ یہاں آکر اس نے جعفر خان کے والد لال
خان پر چڑھائی کرنے کے لئے فوج جمع کرنی شروع کردی۔ لال خان کو جب اس بات کا

ہو سکے نہیں۔ چنانچہ اس نے ۱۸۱۸ء میں اپنے ایک جرنیل دیوان چند کی کمان میں اس
خان پر قبضہ کرنے کے لئے فوج نور پور کی جانب روانہ کی۔ محض معمولی سی
مدافعت کے بعد نواب شکست کھا گئے اور نور پور کے قلعہ پر سکھوں کی فوج نے قبضہ
کر لیا۔ بذات خود احمد یار خان مانکیرہ کی طرف بھاگ گیا۔ سکھوں نے نور پور میں
تھوڑی سی فوج قلعہ کی حفاظت کے لئے چھوڑی اور واپس لاہور آ گئے۔ چنانچہ احمد یار
خان نے سکھ فوج کے واپس مڑتے ہی اپنے علاقہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد کسی
طریقے سے نواب آف مانکیرہ کے بیٹوں نے جنڈیالے کے قریب احمد یار خان کے بیٹوں
کو قید کر لیا جبکہ خود احمدیار خان کو وہاں سے بھاگ کر جان بچانا پڑی۔ اب احمد یار خان
کے پاس اس بات کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ رنجیت سنگھ کی اطاعت قبول کر کے
اس کا باجگزار بن جائے۔ چنانچہ اس نے یہی کیا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اطاعت
قبول کر لی۔

۱۸۲۱ء میں سکھوں نے مزید پر پرزے نکالے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ نواب
آف مانکیرہ پر چڑھ دوڑا۔ احمد یار خان کی چونکہ نواب آف مانکیرہ سے پرانی عداوت چلی
آ رہی تھی۔ لہٰذا اس نے سکھوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس دور میں مانکیرہ کا نواب حافظ
احمد خان تھا۔ مانکیرہ کے نوابوں نے اپنی ریاست کی طرف آنے والے راستوں پر جابجا
قلعے تعمیر کر کے بزعم خود اپنے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا رکھا تھا۔ تاہم رنجیت سنگھ بڑی
آسانی سے یکے بعد دیگرے ان رکاوٹوں کو سر کرتا گیا اور جہاں جہاں سے گزرتا گیا جابجا
کنویں بھی کھودتا گیا تاکہ اس کی فوج پانی کی قلت کا شکار نہ ہونے پائے۔ راستے کے
تمام قلعے فتح کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے خاص مانکیرہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چنانچہ
صرف ۲۵ دن محصور رہنے کے بعد نواب آف مانکیرہ نے بھی رنجیت سنگھ کی اطاعت
قبول کر لی۔ رنجیت سنگھ نے بھی اس کی اطاعت گزاری کو قبول کرتے ہوئے اسے ڈیرہ
جات کا ناظم رہنے دیا۔

اس جنگ کے دوران ہم بتا چکے ہیں کہ ٹوانے رنجیت سنگھ کے ہمراہ تھے اور
انہوں نے اس کی کافی مدد و اعانت کی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اس ٹوانہ قوم کی
خوبصورتی، دلیری اور شہ سواری سے بے حد متاثر ہوا اور جب فتح و کامرانی کے

شادیانے بجاتا لاہور واپس لوٹا تو ٹوانہ جوانوں پر مشتمل ایک رسالہ بھی اپنے ہمراہ لے
گیا۔ یہ رسالہ پچاس ٹوانہ نوجوانوں پر مشتمل تھا جس کا کمانڈر قادر بخش نامی شخص تھا۔
اس قادر بخش نے رنجیت سنگھ کے عہد میں خوب نام کمایا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے
ساتھ بے شمار مہمات میں شامل رہا۔ خصوصاً ملتان کے معرکہ میں بھی یہ سکھ افواج کے
ساتھ شامل تھا۔ ۱۸۳۷ء میں اس قادر بخش کا ایک چچا زاد بھائی فتح خان بھی مہاراجہ
رنجیت سنگھ کے رسالہ کا کمانڈر بنایا گیا تھا۔

احمد یار خان رئیس ٹوانہ کی اب کوئی اہمیت نہ رہی تھی۔ نہ تو اسے اپنے علاقہ
میں کوئی زیادہ پذیرائی حاصل تھی اور نہ ہی رنجیت سنگھ کے دربار میں اس کی کوئی
عزت و تعظیم تھی۔ چنانچہ ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر احمد یار خان نے مہاراجہ
رنجیت سنگھ کی نوکری کر لی اور ایک ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ کے عوض وہ مہاراجہ کا
چابک سوار مقرر ہوا اور پھر ۱۸۳۷ء تک یعنی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات تک وہ
مہاراجہ رنجیت سنگھ کی گویا ذاتی ملازمت ہی میں رہا۔ خصوصاً اس کی شکار کے لئے
ترتیب دی جانے والی مہمات کا ناظم رہا۔ انہیں ایام میں جب احمد یار خان ٹوانہ مہاراجہ
رنجیت سنگھ کا ملازم تھا، اس کا بیٹا فتح خان ایک مشہور سکھ سردار ہری سنگھ کی ملازمت
میں تھا۔ ۱۸۱۹ء میں اس فتح خان ٹوانہ کو مٹھ ٹوانہ کا علاقہ جاگیر میں عطا ہوا۔ اسے یہ
جاگیر غالباً ہری سنگھ نے عطا کی تھی جو اسوقت اس پر قابض تھا۔ ۱۸۳۱ء میں راجہ
دھیان سنگھ نے فتح خان کو مٹھ ٹوانہ کے علاقہ کا منیجر مقرر کر دیا اور اس کی نظامت میں
کوہستان نمک پر مشتمل وڑچھ اور چوہا کے علاقے بھی دے دیئے۔ ہری سنگھ کی
وفات ۱۸۳۷ء میں ہوئی۔ چونکہ فتح خان ٹوانہ کو مٹھا ٹوانہ اور اس کے نواحی علاقوں کا
ناظم سردار ہری سنگھ نے بنایا تھا اور سکھوں کی لاہور حکومت کا اس میں کوئی عمل دخل
نہ تھا۔ لہٰذا ہری سنگھ کی وفات کے بعد وہ لاہور آیا۔ لاہور میں فتح خان کی آمد کی غرض
و غایت یہی تھی کہ وہ مٹھا ٹوانہ اور ان کے نواحی علاقوں کی نظامت کا پروانہ لاہور
حکومت سے بھی حاصل کر لے تاکہ اسے لاہور کی سکھا شاہی سے کوئی خطرہ نہ رہے۔
لاہور میں راجہ دھیان سنگھ نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور ۱۸۳۸ء میں اس نے بھی
اسے مٹھا ٹوانہ کا منیجر مقرر کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ کوہستان نمک میں نمک کی کانوں

کا انتظام بھی اسی کے حوالے کردیا۔ راجہ دھیان سنگھ نے فتح خان کے ساتھ اپنے معتمد خاص کھتری پرس رام نامی کو بھی اس کی نظامت کا شریک کار بنا کر بھیج دیا تاکہ فتح خان ٹوانہ کو فری ہینڈ نہ مل سکے۔ تاہم ان دونوں کی شراکت کی نظامت زیادہ دیر نہ چل سکی۔ ۱۸۴۰ء میں فتح خان کے نام بیس ہزار روپیہ کے بقایا جات نکلے اس نے ادائیگی میں پس و پیش سے کام لیا تو شہزادہ نونہال سنگھ نے اسے بلا کر قید میں ڈال دیا اور اس وقت تک رہا نہ کیا جب تک اس نے تمام تر بقایا جات ادا نہ کردیئے۔ تاہم یہ نونہال سنگھ اس کے بعد فوت ہوگیا اور اقتدار مکمل طور پر فتح خان کے مربی و محسن راجہ دھیان سنگھ کے پاس آگیا۔ چنانچہ سکھا شاہی دربار کی طرف سے پھر سے فتح خان پر نوازشات کی بارش شروع ہوگئی۔ فتح خان کو اب علاقہ کچھی کا منیجر مقرر کردیا گیا اور فتح خان ٹوانہ کے دوسرے کئی رشتہ دار یعنی صاحب خان اور عالم خان وغیرہ میانوالی، [illegible] وال اور نور پور ٹوانہ کے کاردار مقرر کردیئے گئے۔ اس کے بعد شیر سنگھ گدی نشین ہوا تو اسے علاقہ ٹانک کے انتظامی معاملات اور لگان کی وصولی میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یاد رہے کہ علاقہ ٹانک پر اس وقت مروت کاتی خیل قبیلہ حکمران تھا۔ ٹانک خاندان کے آخری سردار و نواب اللہ داد خان کو سکھوں نے حملہ کرکے وہاں سے بے دخل کردیا تھا تاہم سکھوں کو ٹانک کے علاقہ پر جارحیت سے کچھ حاصل نہ ہوا تھا اور مالیہ و لگان کی وصولی ان کے لئے ہمیشہ درد سری رہتی تھی۔ سکھ جو دستہ بھی وہاں لگان اکٹھا کرنے کے لئے بھیجتے تھے وہاں ان پر حملہ کرکے انہیں بھگادیا جاتا تھا یا قتل کردیا جاتا تھا۔ ایسے میں دھیان سنگھ نے فتح خان ٹوانہ کو اس علاقہ کے مکمل اختیارات تفویض کرکے لگان کی وصولی کا فریضہ سونپ دیا۔ فتح خان ٹوانہ اس علاقہ کے حالات سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بغیر نواب آف ٹانک کے تعاون کے وہاں سے لگان وصول کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ چنانچہ اس نے دھیان سنگھ کو تجویز پیش کی کہ اللہ داد خان نواب آف ٹانک سے صلح کرکے اس کو نظامت ٹانک پر بحال کردیا جائے لیکن اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی اللہ داد خان فوت ہوگیا۔ فتح خان ٹوانہ نے اب ایک دوسری راہ [illegible] کرنے کے لئے یہ اختیار [illegible] اس نے [illegible] دریائے [illegible] ایک قلعہ تعمیر [illegible] قلعہ کی [illegible]

مقامی سرداروں نے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو فتح خان نے انہیں یہ وعدہ کرکے مطمئن کردیا کہ ان کے لگان کی شرح وہ گھٹا کر بہت کم کردے گا۔ چنانچہ اس وعدے کے پیش نظر وہاں کے روساء نے قلعہ کی تعمیر میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کی بلکہ اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ لیکن یہ فتح خان کی محض چال تھی۔ جب اس نے قلعہ ختم کرلیا اور اپنے آپ کو اور اپنے ہمراہیوں کو وہاں محفوظ کرلیا تو اردگرد کے علاقوں سے مالیہ وغیرہ کے ساتھ تاوان کی ادائیگی کا بھی مطالبہ کردیا۔ اب وہاں کے روساء مجبور تھے۔ فتح خان کا حکم ماننے کے سوا ان کے پاس کوئی اور چارہ کار ہرگز نہ تھا۔ چنانچہ وہ محصول کے ساتھ ساتھ تاوان بھی ادا کرنے لگے۔ یہ تمام بندوبست کرچکنے کے بعد فتح خان کامیاب و کامران واپس لاہور لوٹا۔ وہ اپنے ساتھ نواب آف ٹانک اللہ داد خان کا نوعمر بیٹا شاھنواز خان بھی لاہور لے آیا۔ لاہور میں اس نوعمر نواب [illegible] کی بہت آؤ بھگت کی گئی۔ اب فتح خان کا ستارہ عروج پر تھا۔ تاہم قدرت کے [illegible] ہوتے ہیں۔ ہوا یوں کہ یکایک بس ایک ہی دن میں اس کے محسن و [illegible] سنگھ اور مہاراجہ شیر سنگھ دونوں سندھانوالیہ سکھوں کے ہاتھوں قتل [illegible] دھیان سنگھ کے مارے جانے سے تھوڑی دیر قبل فتح خان ٹوانہ اس کے [illegible] سندھانوالئے سکھ اور راجہ دھیان سنگھ قلعے کے اندر چلے گئے اور فتح خان [illegible] کہ اچانک قلعے کے دروازے بند ہوگئے۔ فتح خان اس خطرے کو فوراً بھانپ گیا۔ وہاں سے فوراً کھسک کر اپنے گھر آگیا۔ فتح خان کے اس عمل کی وجہ سے مقتول [illegible] دھیان سنگھ کے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ نے علی الاعلان فتح خان ٹوانہ پر راجہ [illegible] کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کا الزام لگا دیا۔ اور یہ بھی اعلان کردیا [illegible] فتح خان ٹوانہ کا سر کاٹ لائے گا اسے معقول انعام دیا جائے گا۔ حالانکہ یہ [illegible] ہی تھا۔ فتح خان کو بھلا مہاراجہ دھیان سنگھ کے قتل سے کیا فائدہ ہوسکتا [illegible] سنگھ کے جیتے جی اسے فائدے ہی فائدے تھے۔ فتح خان کو جب یہ [illegible] کے سر کی قیمت مقرر کردی گئی ہے وہ راتوں رات بھیس بدل کر [illegible] اور اپنے جدی علاقہ ٹوانہ آگیا۔ راجہ ہیرا سنگھ نے اسے گرفتار کرنے [illegible] روانہ کردی۔ ایسے میں فتح خان دریائے سندھ کو پار کرکے بنوں [illegible]

کے ہاں جا کر پناہ گزیں ہوگیا۔ سکھوں نے سواہن خان کو پیش کش کی کہ وہ تین ہزار لے کر فتح خان کو ان کے حوالے کردے۔ لیکن وڈیروں کے اس غیور سردار نے اس بات کو اپنے شایان شان نہ سمجھا اور یوں سکھوں کو بے نیل و مرام لوٹنا پڑا۔ اب فتح خان پھر سے دریائے سندھ عبور کرکے واپس آگیا اور میانوالی' عیسیٰ خیل اور اس کے نواحی علاقوں میں آباد نیازی و دیگر مسلمانوں کو سکھوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لئے ترغیب دینے لگ گیا۔ اس نوانہ سردار کی ان علاقوں میں خاصی جان پہچان تھی۔ لہذا ان علاقوں کے کئی لوگ اس کے ہمراہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ فتح خان نے ان لوگوں کی جمعیت ہمراہ لی اور ارد گرد کے ان علاقوں پر ٹوٹ پڑا جو سکھوں کو ٹیکس دیتے تھے۔ راجہ ہیرا سنگھ نے اس سے مقابلے کے لئے فوجی دستے روانہ کئے لیکن اس نوانہ سردار نے انہیں پے درپے عبرت ناک شکستیں دیں۔ سکھ شاہی نے مجبور ہو کر سردار [illegible] سنگھ کی کمانڈ میں ایک باقاعدہ زبردست فوج فتح خان کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ اس پر فتح خان مقابلہ بے سود سمجھ کر پھر سے دریائے سندھ کے پار بھاگ گیا اور سکھوں نے مٹھا نوانہ کا قصبہ لوٹ کر مکمل طور پر تباہ و برباد کردیا۔

تاہم اسے فتح خان کی خوش نصیبی سمجھئے کہ قدرت ایک بار پھر اس پر مہربان ہوگئی۔ اچانک راجہ ہیرا سنگھ اور پنڈت حکومت سے برطرف کردئے گئے اور یہی فتح خان کے سب سے بڑے جانی دشمن تھے۔ ان دونوں کی برطرفی کے بعد فتح خان کے ایک اور سکھ دوست سردار جواہر سنگھ کو وزیر بنادیا گیا۔ اس خبر کے سنتے ہی فتح خان بے دھڑک لاہور آگیا اور لاہور میں پھر سے اس کی بے حد آؤ بھگت کی گئی۔ جواہر سنگھ نے اس پر بے حد مہربانی کی اور دیوان سکھی مل کو جسے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ڈیرہ اسمٰعیل خان اور بنوں کا ناظم مقرر کیا ہوا تھا برطرف کرکے یہ نظامت فتح خان کے سپرد کردی۔

جس دور میں جواہر سنگھ کو اقتدار ملا ان دنوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا پشاورا سنگھ زندہ تھا۔ یہ سکھ شہزادہ عوام میں بے حد مقبول تھا اور بے حد رعایا پرور سمجھا جاتا تھا۔ تمام سکھ برادری اس کی گرویدہ تھی۔ مسلمان قومیں بھی اس کی عزت کرتی تھیں۔ جواہر سنگھ کو پشاورا سنگھ سے بغاوت کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ یہ پشاورا سنگھ ان دنوں اٹک

کے قلعہ پر قابض تھا۔ چنانچہ جواہر سنگھ نے پشاورا سنگھ کو اپنی راہ سے ہٹانے کی ڈیوٹی فتح خان نوانہ اور سردار چتر سنگھ اٹاری والا کی لگائی۔ ان دونوں نے آٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ شہزادہ پشاورا سنگھ کا اٹک کے قلعہ میں محاصرہ کرلیا۔ چونکہ اہل قلعہ پشاورا سنگھ پر جان دیتے تھے۔ لہذا وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ ان حالات میں فتح خان اور سردار چتر سنگھ کو بزور بازو قلعہ فتح کرنا ناممکن نظر آیا تو انہوں نے چالبازی و مکاری سے کام [illegible]

[illegible]

سے صرف وہی اشخاص نفرت و عداوت رکھتے تھے جن کو اپنے
ساتھ اس کی مخالفت کا اندیشہ تھا۔ مگر اس بے گناہ کا خون رنگ
لائے بغیر نہ رہا۔ اس کے قتل کے مرتکب اور اصلی محرک دونوں
کو بہت سخت پاداش ملی۔ یعنی بدباطن اور کینہ خو چتر سنگھ اپنے
وطن سے سینکڑوں میل دور جلا وطنی کی حالت میں مرا۔ جواہر
سنگھ' اس قتل کے اصلی بانی کو تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی فوج
نے یورش کرکے مار ڈالا اور ملک فتح خان (ٹوانہ) پر اس کردار بد
کی شامت سے جو مصیبتیں پڑیں ان کی تفصیل الگ ہے۔"

بہرکیف فتح خان ٹوانہ نے شہزادے کو قتل کرنے کے بعد کالا باغ (میانوالی) کے مقام سے دریائے سندھ عبور کیا اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے صوبہ پر قبضہ کرلیا۔ یاد رہے کہ راجہ جواہر سنگھ نے بھی اسے ڈیرہ اسمٰعیل خان کا صوبہ دار بنایا تھا۔ اس وقت دولت رائے جو ڈیرہ اسمٰعیل خان کا سابق ناظم تھا مدافعت کے قابل نہ تھا لہٰذا فتح خان نے وہاں کا نظام سنبھال لیا۔ اب چونکہ سکھا شاہی روبہ زوال ہو چکی تھی لہٰذا فتح خان نے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں مکمل قدم جمانے کا ارادہ کرلیا۔ وہاں اسے علاقہ کے سرداروں سے زیادہ دھڑکا تھا چنانچہ اس نے پہلا کام ہی انھیں اپنی راہ سے ہٹانے کا کیا۔ اس نے ان تین علاقائی سرداروں یعنی جاگیردار پائندہ خان' عاشق محمد خان اور حیات اللہ خان کو حسب عادت ڈیرہ اسمٰعیل خان میں دعوت دے کر بلالیا۔ ان تینوں میں سے سردار پائندہ خان قدرے گرم مزاج کا انسان تھا۔ اور یہ بات فتح خان اچھی طرح جانتا تھا۔ چنانچہ فتح خان نے جان بوجھ کر اپنے دربار میں پائندہ خان کی تذلیل کی۔ پائندہ خان تو خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہوگیا تاہم اس کے نوجوان بیٹے سکندر خان سے اپنے والد محترم کی توہین برداشت نہ ہو سکی اور اس نے تلوار نکال لی۔ اس پر فتح خان ٹوانہ کا جمعدار تاجہ بھی اس کے مقابلے میں آگیا۔ سکندر خان نے تاجہ پر حملہ کرکے اسے قتل کردیا۔ فتح خان تو بس یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح اسے ان دشمنوں کو ختم کرنے کا بہانہ ہاتھ آئے۔ چنانچہ اس نے صورت حال کا فائدہ اٹھا کر نہ صرف پائندہ خان اور اس کے بیٹے سکندر خان کو قتل کروادیا بلکہ عاشق محمد خان اور ایک دوسرے سردار نصیر اللہ خان

کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ حیات اللہ خان بمشکل جان بچا کر نواب شیر محمد خان کے پاس جا کر پناہ گزیں ہوگیا اور اس نے بعد میں چالیس ہزار روپیہ زر فدیہ ادا کرکے گلو خلاصی کرائی۔

فتح خان کے ان کارناموں کی اطلاع جب لاہور پہنچی تو حکام کو اس کا وجود بے حد ناگوار گزرا تاہم فتح خان نے اس وقت کے راجہ لال سنگھ' اس کی مہارانی اور مہارانی کی کنیز کو ڈھیر سارا روپیہ رشوت میں دے کر اپنے تحفظ کا یقین حاصل کرلیا۔ لاہور سے فتح خان کی بجائے دیوان دولت رائے کو ڈیرہ اسمٰعیل خان کا ناظم بنا کر روانہ کیا گیا۔ فتح خان ٹوانہ نے بھی دولت رائے کے سامنے مزاحمت کرنے کا پکا ارادہ کرلیا اور جب دولت رائے بھکر کے مقام پر پہنچا تو ملک فتح خان نے اس پر حملہ کے ارادہ سے دریائے سندھ عبور کیا مگر دیوان دولت رائے کے ہمراہ باقاعدہ فوج تھی جسے دیکھ کر فتح خان ٹوانہ کی ہمت جواب دے گئی۔ چنانچہ وہ مجبوراً ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف واپس لوٹ گیا۔ دولت رائے نے اس کا تعاقب کیا اور ڈیرہ پر چڑھائی کردی۔ ملک فتح خان ٹوانہ نے تین ہزار آدمیوں کی جمعیت اپنی حفاظت کے لئے قلعہ کے باہر کھڑی کر رکھی تھی لیکن یہ لوگ سکھوں کی باقاعدہ فوج کا مقابلہ نہ کرسکے اور پہلے ہی حملہ میں فتح خان کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فتح خان کو اب مجبوراً پسپا ہو کر قلعہ [illegible] کی طرف جانا پڑا جہاں کا انچارج اس کا بیٹا فتح شیر خان تھا۔ اس قلعہ میں پہنچ کر اس نے اپنے تمام قیدیوں کو تہ تیغ کردیا اور اسی رات دریائے سندھ عبور کرکے اپنے جدی علاقہ مٹھاٹوانہ کو چلا گیا۔ اسی دور میں سکھوں اور انگریزوں کی لڑائیاں شروع ہوگئیں اور فتح خان انگریزوں کا حامی بن گیا۔ تاہم اسی دوران میں فتح خان سے اس کی نظامت کا حساب کتاب طلب کیا گیا۔ دیوان دینا ناتھ نے فتح خان کے ذمے ساٹھ لاکھ روپیہ واجب الادا نکالا تھا جو ظاہر ہے اس دور میں ایک گراں قدر رقم تھی۔ فتح خان نے ادائیگی سے پس و پیش سے کام لیا۔ تاہم اسے اپنے بیٹے فتح شیر خان سمیت نظر بند کردیا گیا۔ انگریز میجر لارنس کے حکم پر اسے نظر بند کیا گیا تھا۔ بڑی سختی کے بعد صرف اکیس ہزار روپیہ ہی اس نے دیا تھا کہ اسی اثناء میں بغاوت ہوگئی اور میجر لارنس اور ایڈورڈ صاحب نے بہ امر مجبوری مصلحت کی بناء پر اسے رہا کردیا۔ انگریز دور میں بھی فتح خان کو بنوں اور

میانوالی کا ناظم مقرر کیا گیا تھا۔ بنوں کی سکھ فوج نے جس وقت انگریزوں کے خلاف بغاوت کی تھی اس موقع پر بھی فتح خان ٹوانہ نے محض اپنی جرات اور حکمت عملی سے اسے فرو کیا تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی ملتان میں شیر سنگھ نے بغاوت کردی۔ جس سے بنوں کے سکھ بھی بچر کے باغی ہوگئے اور انہوں نے انگریز کرنل باور کو قتل کر دیا۔ اس دوران بنوں کے قلعہ سے چار توپیں ملتان میں شیر سنگھ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے دی جا رہی تھیں۔ سکھوں نے ان توپوں پر بھی قبضہ کرلیا اور انہیں چھین کر قلعہ کے اندر محصور فتح خان کا محاصرہ کرلیا۔ اس موقع پر فتح خان کی مدد و اعانت کے لئے مروت سردار بشمول محمد خان آف عیسیٰ خیل اور مشہور زمانہ بہادر داسہ خان (جو سکھوں کے لئے دو دھاری تلوار تھا)، جعفر خان رئیس ٹپ، بزید خان شیرانی، مشیر خان اور محمد اعزاز خان عیسیٰ خیل وغیرہ پہنچے لیکن کئی مقامی سردار یعنی موسیٰ خان رئیس سکندر خیل، میر عالم خان رئیس مداں وغیرہ فتح خان کے دشمن تھے اور وہ سکھوں سے مل گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سکھوں نے قلعہ فتح کرکے ملک فتح خان ٹوانہ کو گولی مار کر اس کا کام تمام کردیا۔ اور فتح خان کے حامی مقامی سردار قید کر لئے گئے۔ بہرصورت فتح خان ٹوانہ نے اپنے لواحقین کے لئے بہت بڑی جاگیر اور رقم ورثہ میں چھوڑی تھی۔

تاہم فتح خان کے بیٹے ملک فتح شیر خان ٹوانہ کو بعد میں حکومت انگریزی کی جانب سے بے حد پذیرائی ملی اور وہ ایڈورڈز صاحب بہادر کا معتمد خاص رہا۔ کئی لڑائیوں میں بھی اس نے انگریزوں کے ساتھ حصہ لیا اور بے حد مراعات حاصل کیں۔ اسے انگریزوں کی جانب سے خان بہادر کا خطاب بھی ملا۔ ملک فتح شیر خان دسمبر ۱۸۹۳ء میں فوت ہوا۔

نورپور اور مٹھہ ٹوانہ کے روساء کے بعد جہان آباد کے ٹوانوں کا نمبر آتا ہے جن کا سردار ملک جہان خان تھا۔ اس جہان خان کو بھی وفاداری کے صلے میں حکومت انگریزی نے خان بہادر کے خطاب سے نوازا تھا۔ یہ انگریزوں کی فوج میں اچھے عہدے پر فائز رہا۔ اس کا انتقال [illegible] میں ہوا اور اس کا بیٹا ملک [illegible] خان اس کا جانشین بنایا گیا۔ بہرصورت ٹوانوں کا یہ خاندان بھی انگریزی دور میں بے حد ممتاز اور اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔

ہوا کہ [illegible] بھی ہمیشہ ٹوانوں کے پاس رہا ہے اور یہاں ملک [illegible] خان کی اولادوں کی حکمرانی رہی ہے۔ ان کے جد امجد ملک [illegible] بخش خان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں بھی خدمات انجام دی تھیں اور اسے موضع [illegible] میں حقوق ملکیت اور تحصیل شاہ پور میں زمین دی گئی تھی۔ اس قوم کا ایک سردار ملک فتح خان [illegible] میں ایک معرکے میں قتل ہوا تھا۔ اس کے بیٹے اور [illegible] محمود خان نے بھی انگریز حکومت کی خدمت سرانجام دی تھیں اور [illegible] حاصل کی تھی۔

کے امراء کی لڑکیوں کو اپنے نکاح میں لایا۔ اس دور میں راٹھور خاندان مارواڑ میں آباد ہوا۔ اس راجہ نے سلطنت کو مزید وسعت دینے کے لئے لکھنوتی پر بھی حملہ کیا اور اسے فتح کرکے اپنے ہی بھتیجے کو وہاں کی حکمرانی عطا کی۔ ازاں بعد دو سال امن و سکون سے حکومت کرنے کے بعد اس نے مالوہ پر حملہ کیا اور اسے بھی فتح کرکے وہاں اپنے خاندان کے راٹھوروں کو آباد کیا۔ اس نے بیجا نگر کے راجہ کو بھی نیچا دکھایا تھا۔ اور اس کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اس کے بعد یہ راجہ کوہستان کے علاقوں کی جانب بڑھا اور کملیوں کے راجہ کو شکست دے کر وہاں بھی قبضہ کرلیا۔ اس راجہ نے پنجاب میں بے حد فتوحات کیں اور اپنی سلطنت کو بے حد وسعت دی۔ ہندی کوٹ، نگر کوٹ اور جموں وغیرہ تک کے تمام علاقے فتح کرکے اس نے اپنی راجدھانی میں شامل کرلئے تھے۔

اس راجہ نے تقریباً ۵۲ سال تک بے حد امن و سکون اور تزک و احتشام سے حکومت کی۔ تاہم اس کی وفات کے بعد یہ حکومت اس خاندان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ اس لئے کہ اس کے بیٹوں کے مابین بھی وراثت کی بناء پر جھگڑے شروع ہوگئے تھے اور ان کے اس باہمی نفاق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک شخص پرتاپ چند بیسودیہ نے ان سے حکومت چھین لی تھی 106۔

راٹھور

راٹھور کی کافی ساری ذیلی شاخیں بھی ہیں جن کا الگ سے تذکرہ کیا جائے گا تاہم اس قوم کے کئی لوگ صرف راٹھور ہی کہلواتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد ہمارے پنجاب میں کچھ زیادہ تو نہیں ہے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ پنجاب کے تقریباً تمام اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں۔ راٹھور زیادہ تر لاہور کے ضلع میں آباد ہیں۔ [illegible] نمبر [illegible] جہلم اور تیسرے نمبر پر ساہیوال میں آباد ہیں۔ ان علاقوں کے علاوہ یہ لوگ [illegible] شیخوپورہ، راولپنڈی، گجرات، سرگودھا، شاہ پور، ملتان، جھنگ، مظفر گڑھ اور بہاولپور کے اضلاع میں آباد ملتے ہیں۔ گجرات، راولپنڈی اور ملتان کے اضلاع میں اس قوم کے محض چند خاندان ہی آباد ہیں۔ یہ قوم کشمیر و پونچھ کے اضلاع میں [illegible] تعداد میں آباد ہے اور ہندوستان میں بھی ان کی خاطر خواہ گڑھیاں آباد ہیں۔

لفظ "راٹھور" کی مختلف شکلیں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ راٹھر، راؤٹھر، روٹھور اور راٹیتو وغیرہ ان سب الفاظ کی اصل راٹھور ہی ہے۔ لفظ راٹھور کا مطلب پہلوان، شہ زور یا جنگجو ہے۔ تاریخ راجستھان کے مصنف کرنل ٹاڈ نے لفظ راٹھور کی اصل راٹھو بتائی ہے۔

[illegible] ب و نسب کے لحاظ سے یہ لوگ سورج بنسی کہلاتے ہیں اور یہ قوم سورج بنسی راجپوتوں کی شاہی قوم کی ایک معروف شاخ ہے۔ شجراتی لحاظ سے یہ لوگ اپنی [illegible] راٹھور قوم قدیم زمانوں میں ہندوستان [illegible] تاریخ فرشتہ میں بھی [illegible] [illegible] میں خوب ترقی کی اور جب ان کی افرادی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا تو [illegible] اس قوم نے بے حد قوت حاصل کی تھی [illegible] کے نواحی علاقے اس قوم نے [illegible] وہاں کی قدیم باسی قوم [illegible] ضمن میں کتب تواریخ میں ایک اہم قول لکھا ہوا ملتا ہے کہ

"ایک راٹھور دس کچھواہوں پر بھاری [illegible]"

[illegible] مورخین نے راٹھور قوم کی اصل [illegible]

مورخین کے نزدیک سیتھین قوم جو زمانہ قدیم میں دریائے جیحون کے کنارے وسط ایشیا تک حکمران تھی، جب ہندوستان آئی تو رفتہ رفتہ دریائے اٹک (سندھ) سے دریائے گنگا تک پھیل گئی۔ کچھ عرصہ تک اس قوم کا نام ستھیا یا سیتھین ہی رہا لیکن جب بعد میں ہندوستان میں نسلی اور جغرافیائی لحاظ سے اس قوم کی زیادہ ذیلی شاخیں بن گئیں تو جہاں ان کا تمدن بدل گیا وہاں یہ قوم کئی دیگر ناموں سے بھی موسوم ہو گئی۔ چنانچہ نام راٹھور بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

یہ نظریہ بھی درست لگتا ہے ہم اس ضمن میں وضاحت کرتے ہیں کہ [illegible] سکا یا سیتھین اقوام کے چار سرداروں کو غسل [illegible] دے کر راجپوت گروپ میں شامل کیا گیا تھا۔ ممکن ہے راٹھور انہیں کے ابناؤ اخلاف ہوں۔

تاریخ راجستھان کے مشہور مورخ کرنل ٹوڈ نے راٹھور قوم کے متعلق ایک جداگانہ نظریہ پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ راٹھور قوم کا تعلق ایک قدیم قوم رانسو سے ہے۔ اس قوم کے ایک راجہ نیپال نے ۴۷۰ء میں راٹھور قوم کے راجہ جیس کو قتل کر کے قنوج پر قبضہ کیا تھا۔ لیکن ہمارے خیال میں راٹھور لفظ کی اصل رانسو ہرگز نہیں ہے۔ کرنل ٹوڈ کا یہ کہنا کہ قدیم رانسو قوم کے راجہ نیپال نے راٹھور قوم کے راجہ سجے پال کو قتل کیا تھا خود اس امر کی دلیل ہے کہ رانسو اور راٹھور دو مختلف اقوام تھیں اور یقیناً" راٹھور قوم کو رانسو کہنا بہت بڑی غلطی ہے۔ بلکہ تاریخ فرشتہ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ راٹھور قوم شروع ہی سے راٹھور کہلاتی آئی ہے۔ اور خصوصاً قنوج پر ان کا اقتدار قبل از تاریخ کے نامعلوم دور سے لے کر ۱۱۹۵ء تک لازوال رہا ہے۔ اور شہاب الدین غوری سے پہلے وہاں کی حکومت اس قوم سے کوئی بھی خاندان نہیں چھین سکا۔ جیسا کہ ہم سطور بالا میں بتا آئے ہیں کہ ۱۱۹۳ء یا ۱۱۹۵ء میں شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک کے ہاتھوں اس قوم کا اقتدار انجام کو پہنچا اور یہ لوگ اپنے نامور سردار سیاجی یا شیو جی کی ماتحتی میں مارواڑ آکر آباد ہوئے اور وہاں انہوں نے از سر نو اقتدار حاصل کیا۔ اس شیو جی کی تیرھویں پشت میں سے راؤ جودھا پیدا ہوا جس نے جودھپور کی بنا ڈالی۔ یہ غالباً ۱۴۵۹ء کا ذکر ہے۔ راؤ جودھا کی چوتھی پشت میں سے راؤ مالدیو پیدا ہوا جو مغل شہنشاہ اکبر کے دور میں راٹھور قوم کا معروف

رئیس تھا۔ مسماۃ جودھا بائی جو اکبر اعظم کی بیوی اور جہانگیر کی ماں تھی، اسی راؤ مالدیو کی بیٹی تھی۔ مشہور راٹھور سردار راجہ اودے سنگھ اسی جودھا بائی کا بھائی تھا۔ اس اودے سنگھ نے بعد از وفات سترہ بیٹے اور اتنی ہی بیٹیاں چھوڑی تھیں۔ اودے سنگھ کی وفات کے بعد اس کا تیسرا بیٹا غالباً ۱۵۹۶ء میں باپ کا جانشین بنایا گیا تھا۔ اس کا نام راجہ سورج سنگھ تھا۔ جبکہ اس کا ساتواں بیٹا دلیپ سنگھ ہمیشہ مغل بادشاہوں کے دربار سے وابستہ رہا۔ اس دلیپ سنگھ کے پوتے رتن سنگھ کو مغل شاہوں نے مالوہ میں جاگیر عطا کی تھی اور اس نے اپنے نام سے رتلام کا شہر آباد کیا تھا جو بعد میں ایک الگ ریاست بن گیا۔ رتلام کی ریاست تقسیم ہند سے پہلے تک اسی خاندان کے پاس رہی۔ راجہ مالدیو کے ایک اور فرزند کشن سنگھ ثانی نے مغل شہنشاہ شاہجہاں سے جاگیر لے کر کشن گڑھ ریاست قائم کی تھی یہ ریاست بھی تقسیم ہند تک اس قوم کے پاس رہی۔ راجہ مالدیو کے ایک اور بیٹے کا نام کرنل ٹاڈ نے تاریخ راجستھان میں [illegible] سنگھ لکھا ہے۔ اس جسونت سنگھ کے بیٹے کا نام [illegible] سنگھ تھا۔ ہندوستان میں [illegible] سنگھ کے ابناؤ اخلاف پر مشتمل ہے۔ [illegible] اسی خاندان سے [illegible] من سنگھ کے ایک بیٹے کا نام سرجن سنگھ تھا اور یہی سب سے پہلے [illegible] کی دعوت پر مسلمان ہوا تھا۔ اس شخص نے اسلام قبول کرنے کے بعد [illegible] نقل مکانی کی۔ لاہور سے کشمیر پہنچا اور کشمیر سے نقل مکانی کر کے پونچھ [illegible] آباد ہوا۔ بعد میں اس نے پونچھ کو بھی خیر باد کہہ دیا اور کہوٹہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس شخص کا اسلامی نام سراج الدین بتایا جاتا ہے۔ اس شخص [illegible] بھی پونچھ اور کہوٹہ میں آباد ہے۔ خصوصاً پونچھ میں یہ لوگ اپنے [illegible] نسبت سے بیٹا راٹھور کہلاتے ہیں۔ اس نو مسلم سراج الدین نے [illegible] حکمرانوں سے پونچھ کی حکومت بھی حاصل کر لی تھی اور افغان حکمرانوں کے دور تک یہ لوگ پونچھ پر حکمران رہے۔ پونچھ و کہوٹہ میں سراج الدین راٹھور کے خاندان کو [illegible] کہا جاتا ہے اور کئی مورخین نے یہ دعوے بھی کیے ہیں کہ راٹھور نسل کے اعتبار سے گجر ہیں۔ یہ نظریہ قطعی طور پر غلط ہے۔ اس نظریے کی [illegible] یہ ہے کہ متذکرہ بالا سراج الدین نے کہوٹہ کے ایک گجر خاندان میں نہ صرف شادی کی تھی [illegible]

اپنے گجر سسر ہاجی حبیب کی جائیداد کا بھی وارث بنا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اس خاندان کو چودھری بھی کہا جاتا ہے جو ظاہر ہے عموماً گجر اقوام اپنے سردار کے لئے لفظ استعمال کرتی ہیں۔

بہر کیف راٹھور قوم کا نو مسلم رئیس چودھری سراج الدین زندگی بھر مغل حکمرانوں کا منظور نظر رہا اور ان سے بے حد مراعات اسے ملتی رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی خدمات کے صلے میں مغل شہزادہ سلیم نے (جو بعد میں جہانگیر کے نام سے مشہور ہوا) سراجدین کو راجہ کا خطاب اور سند عطا کی تھی۔ راجہ سراجدین کی پہلی رانی سے ایک لڑکا فتح محمد پیدا ہوا تھا جس کی نسبت سے سراجدین کو ابو الفتح بھی کہا جاتا ہے۔ سراج الدین کی دوسری بیوی چوہان قبیلے سے تھی جس میں سے اس کے دو فرزند پیدا ہوئے تھے جن کے نام نور احمد خان و خان محمد خان بتائے جاتے ہیں۔ کھوٹہ اور پونچھ کے راٹھور سراجدین کے انہیں فرزندوں کے ابناء و اخلاف ہیں۔ اور اس علاقہ پر ان لوگوں نے لمبا عرصہ حکومت کی ہے۔ راجہ سراجدین راٹھور نے اس علاقہ پر ۵۹۴ء سے ۱۶۴۵ء تک حکومت کی اور اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا فتح خان تخت نشین ہوا جس نے ۱۶۴۶ء سے ۱۷۰۰ء تک حکومت کی۔ راجہ فتح خان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بے حد درویش خصلت انسان تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے راجہ عبد الرزاق کو جانشین بنا کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی ۔ جبکہ اس نے اپنے ایک دوسرے بیٹے راجہ محمد معظم خان کو سدھروں اور کھوٹہ کا علاقہ جاگیر میں دے دیا تھا۔ راجہ عبدالرزاق نے اپنی راجدھانی کو کافی وسعت دی اور کشمیر کا کافی علاقہ اس میں شامل کرلیا تھا۔ راجہ عبدالرزاق کا دور ۱۷۰۱ء تا ۱۷۴۷ء کا تھا جبکہ اس کے بیٹے راجہ رستم خان کا دور حکومت ۱۷۶۰ء تا ۱۷۸۷ء مانا جاتا ہے۔ راجہ رستم خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا راجہ محمد شہباز خان سریر آرائے سلطنت ہوا جس کا دور ۱۷۸۷ء تا ۱۷۹۲ء تھا۔ راجہ محمد شہباز خان کی وفات کے بعد اس کا بھائی راجہ خان بہادر خان والئی تخت بنایا گیا۔ جس کا دور ۱۷۹۲ء تا ۱۷۹۵ء تھا۔ راٹھور خاندان کے ان راجاؤں کے علاوہ دیگر بھائی بندوں نے بھی پونچھ، کشمیر اور کھوٹہ کے کئی علاقوں پر مختلف ادوار میں حکومت کی ہے۔ بیسویں صدی کے دور تک راجہ افراسیاب خان سدھروں و کھوٹہ کا حکمران تھا جو اسی خاندان کا چشم و چراغ تھا [107] ۔

جنجوعہ

جنجوعہ پنجاب میں راجپوتوں کی ایک مشہور قوم ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر راولپنڈی کے ضلع میں آباد ہیں جبکہ دوسرے نمبر پر جہلم ان کا مرکز ہے۔ علاوہ ازیں سیالکوٹ، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات، شاہ پور، سرگودھا، ملتان، جھنگ اور مظفرگڑھ میں بھی ان کے بے شمار خاندان رہتے ہیں۔ اس قوم کے چند خاندان بلوچستان میں بھی ملتے ہیں ڈیرہ اسمٰعیل خان اور بنوں میں بھی یہ قلیل تعداد میں آباد ہیں جبکہ آزاد کشمیر و پونچھ کے علاقوں میں بھی ان کی خاطر خواہ تعداد آباد ہے۔

جنجوعہ قوم کی اصل سے متعلق کئی نظریات مشہور ہیں۔ ایک معروف نظریہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس مشہور راجہ مل کی اولاد ہیں جو ایک راٹھور راجپوت تھا اور پانڈوؤں کی اولاد میں سے تھا۔ کئی ماہرین اس قوم کو اگرچہ چندر بنسی راجپوت تسلیم کرتے ہیں لیکن راٹھور نہیں مانتے۔ تاہم حقیقت یہی ہے کہ یہ قوم راٹھور راجپوتوں کی شاخ ہے اور ان کا تعلق اگنی کل راجپوتوں کے خاندان سے ہے جو نسل کے اعتبار سے [illegible] تھے۔

جنرل کننگھم کے نظریہ کے مطابق جنجوعہ قوم پنجاب کی بے حد قدیم قوم ہے۔ جو ۱۵۰۰ برس قبل مسیح میں پنجاب میں داخل ہوئی تھی۔ یہ قوم مشہور آریائی قبیلہ اجامیدا کے ساتھ یہاں وارد ہوئی تھی۔ اس قوم نے اجامیدا قبیلہ کے ساتھ مل کر راولپنڈی سے ملتان تک کے درمیانی رقبے پر اپنی حکومت قائم کرلی تھی اور ان علاقوں پر صدیوں تک حکمران رہی۔ البتہ ہمارے نظریہ کے مطابق جو لوگ قبل از مسیح کے کسی دور میں آریائی قبیلہ اجامیدا کے ہمراہ مذکورہ علاقوں میں وارد ہوئے تھے انہیں جنجوعہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ جنجوعہ قوم کے اجداد تھے۔ بلا ریب یہ جنجوعے، پانڈووں کے ابناء و اخلاف مانے جاتے ہیں اور پانڈووں کا ان علاقوں میں قیام ایک تسلیم شدہ امر ہے۔

راٹھور جنجوعہ قوم کے جد امجد کا نام راجہ مل تھا جو [illegible] پانڈو راٹھور تھے

[illegible] تھا۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ مل ۹۸۰ء میں جودھ پور یا اوچ سے ترک [illegible] اس علاقے میں آیا تھا۔ یہاں آکر اس راجہ کو معلوم ہوا کہ کسی قدیم دور میں اس کے اجداد (پنڈو) جہلم کی شمالی پہاڑیوں میں آباد رہے ہیں۔ چنانچہ راجہ مل نے بھی اپنے اجداد کی طرح انہیں پہاڑیوں کے قریب راج گڑھ آباد کیا تھا۔ راج گڑھ کو اب راجپوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ راجہ مل اپنی اس نئی راجدھانی پر ۹۸۰ء سے لے کر سلطان شہاب الدین غوری کے حملہ تک نہایت امن و سکون سے حکومت کرتا رہا۔ جب سلطان شہاب الدین غوری نے ہند پر دھاوا کیا تو اس نے راجہ مل کو اپنے [illegible] لیکن راجہ مل نے اس کی اطاعت کرنے سے انکار کردیا۔ اس انکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہاب الدین غوری نے راجہ مل پر پوری قوت سے حملہ کردیا۔ اور شکست دے کر اسے گرفتار کرلیا۔ راجہ مل نے چاروناچار ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا۔ کہا جاتا ہے اس سے قبل جنجوعہ قوم تمام کی تمام ہندو تھی اور ہندوؤں کی طرح جنجو یا زنار پہنتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے راجہ مل نے مذہب اسلام قبول کرلیا تو اس کی تقلید میں راجہ مل کی تمام قوم بھی مسلمان ہوگئی۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو انھوں نے اپنے اپنے جنجو گردن سے اتار کر ایک طرف رکھدیئے اور جب بے شمار جنجو جن کا وزن کئی من بنتا تھا جمع ہوگئے تو انہیں آگ لگا دی گئی چنانچہ اس دور سے اس قوم کا نام جنجوعہ مشہور ہوگیا۔ کئی ماہرین اس روایت کو درست تسلیم نہیں کرتے کہ جنجو جلانے کی وجہ سے یہ قوم جنجوعہ کہلائی۔ ان کا کہنا ہے کہ جنجو جسے یہ قوم ترک کرری تھی اس کے نام کا حصہ کیونکر بن سکتا ہے؟ یہ نام تو اس قوم کا پڑ سکتا تھا جس نے جنجو یا زنار پہننا شروع کیا ہو۔ جنجو کا استعمال ترک کرکے یا جنجو توڑنے پر تو اس قوم کا نام [illegible] مشہور ہونا چاہیے تھا؟۔

یہ روایت یہ بھی ہے کہ راجہ مل کے ایک بیٹے کا نام جوہد تھا۔ یہی جوہد [illegible] استعمال سے جنجوعہ بن گیا۔ گویا جوہد کی اولادیں جنجوعہ کہلائیں۔ ایک انگریز مصنف [illegible] کا بھی یہ خیال ہے کہ

"راجہ مل کے بیٹے جوہد اور جوہد کے بھائی ویر کی اولادیں جنجوعہ [illegible]"

ہمارے خیال میں بلاشبہ راجہ مل کے بیٹے جوہد اور ویر کی اولادیں اسلام قبول کرلینے اور جنجو اتار کر جلا دینے والے واقعہ کی نسبت سے ہی جنجوعہ مشہور ہوئیں۔

روایت ہے کہ جب راجہ مل نے سلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس وقت اس کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام جوہد، ویر، کلا، ترلوئی اور کھکھا تھے۔ یہ پانچوں بھائی الگ الگ اقوام کے اجداد بنے اور ان میں سے الگ الگ قبیلے وجود پذیر ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

(۱) راجہ ویر خان پسر راجہ مل

راجہ ویر خان اپنے باپ کے بعد کھیوڑہ اور پنڈ دادن خاں کا حکمران بنا۔ اس کے بیٹے راجہ احمد خان کی اولاد ملوٹ، بادشاہ پور اور ڈلوال کے خاندان ہیں۔

(۲) راجہ جوہد پسر راجہ مل

راجہ مل کا بیٹا راجہ جوہد اس علاقہ کا وارث بنا جہاں قدیم [illegible] اور وہاں زیادہ تر برہمن رہتے تھے۔ راجہ جوہد نے اس علاقے کا [illegible] اور ایک قلعہ اور دو بارانی تالاب تعمیر کروائے۔ یہ قوم کئی صدیوں [illegible] بارانی تالابوں کے پانی کو استعمال کرتی رہی۔ کیونکہ ان [illegible] پاس پانی حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ راجہ جوہد کے چار بیٹے [illegible] گذرے ہیں جن کے نام رہپال، سنپال، جسپال اور جے پال تھے [illegible] بھائیوں میں سے اس قوم کے مزید چار ذیلی خاندان وجود پذیر ہوئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) رہپال

رہپال کی نسل سے باہتنوالہ، کوٹ عمر، پنڈی، کھوکھر، درگاہ، چاکری، پرچک، نتھیال، فرید پور، شیر پور،

سرداروں کو دیوان کا خطاب دے رکھا تھا۔ مغل سلطنت کے زوال کے بعد سکھ سردار
چڑت سنگھ سوکر چکیہ نے جنجوعوں کے گڑھ موضع گرجاکھ پر بے خبری کے عالم میں
اچانک حملہ کیا اور اس علاقے کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا۔ جنجوعوں کے اس وقت
کے سردار حاکم دیوان خدا بخش خان کو اس افراتفری کے عالم میں بھاگ کر پنڈ ساویکا میں
پناہ لینا پڑی تھی جبکہ اس کی اراضیات پر دوسرے لوگ قابض و متصرف ہو گئے تھے۔
سکھوں کے بعد جب یہ علاقے انگریزوں کی عملداری میں آئے اس وقت خدا بخش
کے پوتے دیوان خان بہادر خان نے اپنی مقبوضہ اراضیات کی بازیافت کا دعویٰ کیا۔ اس
دور میں خدا بخش کی اولادیں جلال پور اور پنڈی سید پور میں آباد ہو گئی تھیں۔ ۱۸۹۵ء
میں دیوان خان بہادر خان کے بیٹے دیوان قاسم علی خان کو گورنمنٹ برطانیہ نے قومی
خدمات کے صلہ میں سرگودھا میں تین مربع اراضی عطا کی تھی۔ دیوان قاسم علی خان
کے دو بیٹے دیوان خدا بخش خان اور دیوان صاحب خان تھے جو انگریز حکومت کے ہمیشہ
بہی خواہ رہے اور انگریزوں سے انہوں نے گوناں گوں مراعات بھی حاصل کی تھیں۔
اب ہم ذیل کی سطور میں جنجوعہ قوم کی مختلف اہم شاخوں کا الگ الگ تذکرہ کریں
گے۔

(۱) جنجوعہ قوم کی شاخ کھیالہ

کھیالہ خاندان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے شہنشاہ بابر کی حملہ ہند کے
وقت ۱۵۰۰ جوانوں کے ساتھ مدد و اعانت کی تھی اور ان کی خدمات کے صلہ میں شہنشاہ
بابر نے انہیں سلطان کا خطاب دیا تھا۔ چنانچہ جب بھی اس کھیالہ شاخ کا ماضی میں کوئی
سردار چنا جاتا تھا تو اسے سلطان کہا جاتا تھا۔ اسے سلطان بناتے وقت یہ رسم ادا کی جاتی
تھی کہ اسے ایک اونچے چبوترے پر بٹھا دیا جاتا تھا اور اس کے سر پر تاج پہنایا جاتا تھا۔
جس کے بعد اس کے بھائی بند اور دیگر مقامی امرا و زمیندار اسے سلامی پیش کرتے
تھے۔ جنجوعوں کا یہ خاندان ماضی میں بے حد طاقتور اور اثر و رسوخ والا رہا ہے۔ اگرچہ
[illegible] سنگھ نے اس قوم کے مرکز کھیالہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا تاہم
[illegible] اس خاندان نے سلوئی و پچ گرائیں وغیرہ کے علاقوں میں اپنی حیثیت کو

برقرار رکھا اور سکھوں کی ماردھاڑ ختم ہونے کے بعد کھیالہ کا علاقہ بھی انہوں نے دوبارہ
حاصل کر لیا تھا۔ انگریزوں کی طرف سے بھی اس خاندان کے اس دور کے مشہور سردار
سلطان علی بہادر خان کو جاگیریں و معافیاں ملی تھیں۔ علاقہ فیصل آباد میں بھی انہیں پانچ
مربع جات اراضی عطا ہوئی تھی۔ سلطان بہادر علی خان کا انتقال ۱۹۰۱ء میں ہوا تھا اور اس
کا جانشین سلطان فیروز علی خان کو بنایا گیا تھا جو اس کا بیٹا تھا۔ تاہم سلطان فیروز علی خان
عین شباب میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد فیروز علی خان کے بیٹے سلطان حیدر علی
خان کو کھیالہ جنجوعوں کا سردار چنا گیا تھا۔ اس خاندان کے متعلق ایک انگریز مصنف
مسٹر برانڈرتھ نے لکھا تھا۔

> "یہ خاندان پنجاب میں سب سے پرانا خاندان ہے انگریزوں کے
> دور میں یہ خاندان نمایاں اور ممتاز رہا اور اسے کئی مراعات بھی
> حکومت کی جانب سے حاصل ہوئیں۔"

(۲) جنجوعہ قوم کی شاخ سلوئی

جنجوعوں کی یہ شاخ اس دور میں کھیالہ شاخ سے [illegible]
آباد ہوئی۔ اس شاخ کا سب سے پہلا شخص [illegible]
تھا۔ اس مہدی خان سے پہلے پہل سکھوں کی خدمت [illegible]
[illegible] انگریزی فوج میں جمعدار بھرتی ہوا تھا۔ انگریزوں کے [illegible]
افغانستان کی جنگ میں بھی حصہ لیا تھا اور اس کے صلہ میں اسے نہ صرف انگریز
حکومت کی جانب سے تمغہ ملا تھا بلکہ فیصل آباد میں چھ مربع جات اراضی بھی ملی تھی۔
[illegible] مہدی خان کے بعد اس کا بیٹا جلال خان بھی [illegible]
[illegible] مغہ جات حاصل کیے۔ اسے حکومت انگریز نے "بہادر" کا خطاب دیا تھا اور تحصیل پنڈ
دادن خان میں سات سو ایکڑ اراضی بھی دی تھی۔ [illegible] قوم سے چک مہدی خان
آباد کیا تھا۔ راجہ مہدی خان کا بیٹا شمشیر مہدی خان اور اس کا چھوٹا بیٹا سیر بہادر
اپنے دور کے نامور سردار تھے۔ یہ بھی انگریز فوج میں ملازم رہے۔ راجہ شمشیر مہدی
خان کے دو بیٹے غلام مرتضیٰ خان اور شیر بہادر خان [illegible]
[illegible]

[illegible] سے بعد میں فوجی ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ ان میں سے قدیم مرتضیٰ خان نے بعد میں حکمت کی ڈگری حاصل کرلی تھی اور اپنے دور کا بے حد مقبول حکیم [illegible] رہا ہے۔

اس شاخ کے سردار راجہ پیر بخش کے ایک اور لڑکے راجہ نادر علی خان نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اسے بھی "بہادر" کا خطاب ملا تھا۔ [illegible] میں برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی کی تقریب میں بھی راجہ نادر علی خان کو برطانیہ کی حکومت نے انگلینڈ مدعو کیا تھا اور اسے سردار بہادر کا خطاب عطا کیا گیا تھا۔ راجہ نادر علی خان کے بعد اس کا بیٹا راجہ گل نواز خان اس قوم کا سردار بنا یہ بھی انگریز حکومت کا مکمل طور پر وفادار رہا اور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی رسم تاجپوشی پر اسے انگلستان مدعو کیا گیا تھا۔ شہنشاہ جارج پنجم کی سیاحت ہند کے دوران یہ شخص اس کے نگران عملہ کا آرڈرلی آفیسر بھی مقرر ہوا تھا۔ اس راجہ گل نواز خان نے انگریز دور میں بے حد اہم خدمات سرانجام دی تھیں حتیٰ کہ اس دور میں پنجاب کے گورنر کا اے ڈی کانگ بھی مقرر ہوا تھا۔ راجہ گل نواز کے بیٹے فرامرز خان اور نوشیروان خان بھی انگریزی فوج میں ملازم تھے۔ گویا سپاہ گری اس خاندان کا آبائی پیشہ رہا ہے اور آج بھی پاک فوج میں اس قوم کے بے شمار جوان خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۳) جنجوعہ قوم کی شاخ وٹلی

اس قوم کا دعویٰ ہے کہ وہ جنجوعہ قوم کے جد امجد راجہ مل کے دوسرے بیٹے کی اولاد ہیں۔ اسے کسک بھی کہتے ہیں۔ شاخ کسک کچھ عرصہ تک تو کھیالہ کے سلطانوں کے زیر اثر رہی لیکن بعد میں ان سے الگ ہوگئی۔ سکھوں کے دور میں جنجوعہ قوم کی یہ شاخ کسک کے نام سے ایک پہاڑی چٹان پر قابض تھی اور اس کے کنٹرول میں کھیوڑہ کے علاقہ کی نمک کی کچھ کانیں بھی تھیں۔۔ اس وقت ان کا سردار فتح خان تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی فوج کے ساتھ ان پر چڑھائی کی اور محاصرہ کے بعد انہیں ان کے علاقہ سے نکال دیا بعد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس قوم کے سرداروں کو ڈھوڈی، داڑہ اور سادھووال کا مالیہ بطور گزارہ کے دے دیا تھا علاوہ ازیں

چار ہزار روپیہ سالانہ بطور جاگیر اور ۵۰ من سالانہ نمک بھی دینا منظور کرلیا تھا۔ تاہم سکھا شاہی عہد میں یہ خاندان کم و بیش ۴۵ سال تک ہزنور کے علاقہ میں جلا وطن رہا اور یہ لوگ کسک میں اس وقت واپس آئے جب انگریزوں کے ہاتھوں سکھوں کو شکست ہوئی یہ خاندان بھی حکومت برطانیہ کے دور میں زیادہ تر فوج میں خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔ اس خاندان کو شہنشاہ تیمور نے بھی ایک اعزازی سند دی تھی جس پر آج بھی جنجوعہ قوم کی یہ شاخ کسک فخر کرتی ہے۔

(۴) جنجوعہ قوم کی شاخ دلوال

جنجوعہ قوم کی شاخ دلوال کا صدر مقام دلوال ہی رہا ہے۔ اس قوم کے مفصل حالات کتب تواریخ میں نہیں ملتے۔ البتہ اس قدر معلوم ہوا ہے کہ سکھا شاہی عہد میں اس شاخ کے سردار راجہ شیر خان کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۵۰۰ روپیہ کی جاگیر اس علاقہ میں دی تھی انگریزوں کے دور میں چودھری اللہ داد خان اس شاخ کا سردار تھا۔ ۱۹۰۶ء میں انکا ایک شخص خانصاحب چودھری فیض اللہ خان حکومت انگریز کا ڈویژنل درباری تھا، اور اسے ۸ مربع اراضی بھی دی گئی تھی۔ فیض اللہ خان کا انتقال ۱۹۳۲ء میں ہوا تھا، جس کے بعد اس کا بڑا بیٹا صوبیدار محمد افضل خان اس شاخ کا سردار رہا ہے۔ جنگ عظیم کے دوران اس قوم نے بھی فوج میں خدمات سرانجام دی تھیں اور اب بھی یہ قوم زیادہ تر پیشہ سپہ گری سے منسلک ہے جنجوعوں کی یہ شاخ اپنا اعزازی خطاب چودھری رکھتی ہے۔ انگریز دور میں یہ بے حد اثر و رسوخ کی مالک قوم رہی ہے حکومت انگریز سے اسے بے شمار سندیں و اعزازات حاصل ہوئے تھے 08۔

کھروال

کھروال قوم ضلع راولپنڈی کی مشہور تحصیل کہوٹہ میں کثرت سے آباد ہے۔ یہ قوم بھی راجہ مل کی اولادوں میں سے ہے اور یوں جنجوعہ قوم ہی کی ایک ذیلی شاخ قرار پائی ہے زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں آباد ہے اور اپنے علاقے میں بے حد اثر و رسوخ رکھتی ہے۔ اس قوم کی باقی ماندہ تاریخ کم و بیش وہی ہے جو جنجوعہ قوم کی ہے۔

قدیم کھتری راجپوت

نائیک

نائیک قبیلہ کے لوگ جموں و کشمیر کے علاوہ سیالکوٹ، گجرات اور لاہور کے اضلاع میں بھی آباد ہیں ان کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ ان کا تعلق ہندوؤں کی برہمن ذات سے ہے لیکن یہ مفروضہ صرف اس کمزور دلیل پر استوار کیا گیا ہے کہ نائیک کے معنی چونکہ دانش ور، منطقی کے ہوتے ہیں اس لئے یہ لوگ برہمن ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص منطقی ہو یا علم منطق میں دسترس رکھتا ہو وہ پنڈت بھی ہو۔ اس ضمن میں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ جہاں سنسکرت کی رو سے نائیک کے معنی منطقی کے ہیں وہاں نائیک چھوٹے سردار کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ فوج میں نائیک ایک باقاعدہ رینک ہے جو نان کمیشنڈ آفیسر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نائیک قبیلہ کی اصل کے متعلق درست رائے [illegible] لارنس کی ہے جو انہیں ہندوؤں کی قدیم کھتری قوم سے بتاتے ہیں۔ [illegible] راجپوت قبائل قدیم کھتریوں سے ہی منتہا ہوتے ہیں لہٰذا [illegible] ازیں ان کے ماضی کی تاریخ اور جنگجویانہ فطرت بھی اس امر [illegible]

غالباً اس قوم کا قدیم تعلق کشمیری راجپوتوں سے ہے [illegible] قوم کا کافی زور اور اثر و رسوخ تھا یہ لوگ ہمیشہ حکومت [illegible] دخیل رہے ہیں مغل شہنشاہ اکبر اعظم نے جب [illegible] قوم کے ظفر نائیک نامی شخص نے اس کا مقابلہ بڑی دلیری سے [illegible] شجاعت دیتے ہوئے کام آیا تھا حالانکہ اس کی قوم [illegible] کشمیری افواج کو دھوکہ دے کر غنیم سے جا ملے تھے۔

لون

لون قوم کی اصل کشمیر سے بتائی جاتی ہے۔ [illegible] اصل کے متعلق مورخین کی مختلف و متضاد آراء ہیں۔ [illegible] والٹر لارنس کا کہنا ہے کہ اس قوم کا تعلق ہندوؤں کی قدیم [illegible]

کتابیات ــــ حوالہ جات

iii۔ تذکرہ روسائے پنجاب جلد اول' دوم از لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iv۔ آئین اکبری جلد سوم از علامہ ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

v۔ تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

vi۔ شاہان گوجر از ابو البرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب۔ انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور۔

vii۔ پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی اورینٹل پبلشرز' اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔

viii۔ تواریخ اقوام کشمیر از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

ix۔ تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد چشتی۔ الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔

۱۰۶	تاریخ فرشتہ جلد اول	محمد قاسم فرشتہ (ترجمہ عبد الغنی خواجہ ایم اے)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔	۷۳ تا ۷۵
۱۰۶	تاریخ فرشتہ جلد اول	محمد قاسم فرشتہ	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔	۷۳ تا ۷۵

۱۰۷ راٹھور قوم کے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز راولپنڈی' جہلم' گجرات' گوجرانوالہ' سیالکوٹ' لاہور' جموں و کشمیر۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

ii۔ تذکرہ روسائے پنجاب جلد اول' دوم از لیپل ایچ

گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iii۔ آئین اکبری جلد سوم از علامہ ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iv۔ شاہان گوجر از ابو البرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب۔ انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور۔

v۔ تواریخ اقوام کشمیر جلد اول' دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

vi۔ تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

vii۔ پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

۱۰۸ جنجوعہ قوم سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز اٹک' راولپنڈی' جہلم۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

ii۔ تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iii۔ تذکرہ روسائے پنجاب از لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iv۔ تواریخ اقوام کشمیر جلد اول' دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

v۔ پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

۱۰۹ تا ۱۱۳ ان اقوام سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i- ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز اٹک، راولپنڈی، ہزارہ، جہلم، جموں و کشمیر۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

ii- تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iii- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iv- تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد اول، دوم از سر لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

v- پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

vi- مرقع ملتان از سید محمد اولاد علی گیلانی۔ جاذب پبلشرز لاہور۔

۱۱۵ تا ۱۲۴ ان اقوام کی تاریخ سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i- ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز شاہ کوٹ، جھنگ، ملتان، منٹگمری (ساہیوال)۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

ii- مرقع ملتان از سید محمد اولاد علی گیلانی۔ جاذب پبلشرز لاہور۔

iii- تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد اول، دوم از لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

iv- آئین اکبری جلد سوم از علامہ ابو الفضل (ترجمہ مولوی محمد فدا علی صاحب طالب)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

v- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ

ALLAMA IQBAL LIBRARY
FAISALABAD

پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

vi- شاہان گوجر از ابو البرکات مولوی عبدالمالک خان صاحب۔ انجمن مرکزیہ گوجراں لاہور۔

vii- پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی اورینٹل پبلشرز، اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔

viii- تواریخ اقوام کشمیر از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

ix- تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد چشتی۔ الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور۔

۱۲۵ تا ۱۴۷ ان اقوام سے متعلق معلومات کا ماخذ حسب ذیل کتب ہیں:۔

i- ڈسٹرکٹ گزیٹیئرز اٹک، راولپنڈی، ہزارہ، جہلم، جموں و کشمیر۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

ii- تواریخ اقوام کشمیر جلد اول، دوم از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iii- تواریخ اقوام پونچھ از محمد الدین فوق۔ ویری ناگ پبلشرز میرپور آزاد کشمیر۔

iv- تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد اول، دوم از سر لیپل ایچ گریفن (ترجمہ سید نوازش علی)۔ سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

v- پنجاب کاسٹس از سر ڈینزل ایبٹ سن۔ شیخ مبارک علی لوہاری گیٹ لاہور۔

vi- مرقع ملتان از سید محمد اولاد علی گیلانی۔ جاذب پبلشرز لاہور۔

مصنف : غلام اکبر ملک